عباسؑ نامور کے لہو سے دُھلا ہوا　　اب بھی حسینیت کا عَلم ہے کھلا ہوا

معجزات حضرت عباسؑ

مرتبہ:

محمد وصی خان

ناشر

احمد بک ڈپو

پھاٹک امام بارگاہ شاہ کربلا۔ رضویہ سوسائٹی۔ کراچی

ملنے کا پتہ

★

محفوظ بک ایجنسی　مارٹن روڈ کراچی

محفوظ MBA

Tel: 4124286- 4917823 Fax: 4312882
E-mail: anisco@cyber.net.pk

حضرت عباسؑ کی ہیبت کا عالم دیکھ کر
آئیں جب فوجیں مقابل میں ہراساں ہوگئیں
(ماہر لکھنوی)

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا، تیرے کرم سے ہوگا
مرحوم محمد وصی خان

سوانح حضرت عباسؑ پر ایک نظر

آپ کا نام	:	عباسؑ
والد کا نام	:	حضرت علیؑ
والدہ کا نام	:	فاطمہ کلابیہؑ
والدہ کی کنیت	:	ام البنینؑ
دادا کا نام	:	حضرت ابو طالبؑ
دادی کا نام	:	فاطمہ بنت اسدؑ
نانا کا نام	:	حزام بن خالد
نانی کا نام	:	لیلیٰ بنت شہید
زوجہ کا نام	:	لبابہؑ
بھائیوں کے نام	:	عبداللہؑ، جعفرؑ، عثمانؑ
اولاد کے نام	:	فضل (محمد)
		قاسم، عبید اللہؑ
تاریخ ولادت	:	۴ شعبان ۲۶ ہجری یوم سہ شنبہ
مقام ولادت	:	مدینہ منورہ
کنیت	:	ابو الفضلؑ، ابو القاسمؑ ابو قربہؑ
لقب	:	سقائے سکینہؑ، افضل الشہداء، علمدار، العبد الصالح
عمر شریف	:	۳۴ سال چار ماہ
سن شہادت	:	۱۰ محرم ۶۱ء ہجری
یوم شہادت	:	جمعتہ المبارک
وقت شہادت	:	بعد ظہر
سبب شہادت	:	حمایت اسلام و طلب آب برائے خانوادہ آل محمدؐ

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر
اظہار تشکر	۸
اجمالی تعارف از علامہ سیّد ذکی الجتہادی الرشتی	۹
اصلی اور نقلی سیّد کی پہچان پہلا معجزہ	۱۰
افریقہ کے خوجہ کا بٹوہ مل گیا۔ دوسرا معجزہ	۱۲
حضرت عباسؑ کے نام سے منسوب خیر و برکت کے لئے دو کامیاب عمل	۱۴
مقدمہ از قلم استاد محترم علامہ علی حسنین شیفتہ مرحوم	۱۶
تقریظ از علامہ عون محمد نجفی	۲۰
برموقع معجزہ (احمدی)	۲۲
عباسؑ ابن علیؑ ایک مثالی کردار	۲۳
شاعر اہلبیتؑ جناب قیصر بارہوی کا کھویا ہوا بستہ مل گیا	۶۱
پاکستانی صحافی کی آپ بیتی جس نے حضرت عباسؑ کی زیارت کی	۶۳
ذاکر حسینؑ کی عظمت حضرت عباسؑ کی نگاہ میں	۶۶
حضرت عباسؑ کی ایک اہم مصیبت اور ایک خواب	۶۸
بجلی کے کرنٹ سے مرجانے والا بچہ زندہ ہوگیا	۷۰
شاہِ ایران موت کے منہ سے بچ گیا	۷۵
نمک ریت میں تبدیل ہوگیا	۷۶
حضرت عباسؑ کی جھوٹی قسم کھانے والے کو فوراً سزا مل گئی	۷۷
علم مبارک حضرت عباسؑ کا معجزہ	۷۸

ترکی فوج کے سپاہی کو اس کی گستاخی کی سزا فوراً ملی	۸۱
حملہ آوروں نے کہا بلاؤ اپنے عباسؑ کو کہاں ہیں آ کر مدد کریں	۸۲
سونے کا طوق خود بخود گلے سے نکل کر چھت سے لگ گیا	۸۹
حضرت عباسؑ نے لڑکے کے کٹے ہوئے بازوؤں جوڑ دیئے	۹۱
اسحاق بن جو یہ کا عبرت ناک حشر	۹۳
ماں کی پاک دامنی پر پیٹ کے بچہ نے گواہی دی	۹۸
روضۂ عباسؑ جہاں بیمار شفایاب ہوتے ہیں	۹۹
حضرت عباسؑ کی حاضری کی منت نے گونگے کو زبان دیدی	۱۰۱
لکھنو میں درگاہ حضرت عباسؑ کی معجزاتی تعمیر	۱۰۲
علم حضرت عباسؑ کے پنجہ پر ''محمدؐ'' خود بخود تحریر ہو گیا	۱۰۴
روضہ حضرت عباسؑ پر خود بخود پستول سے گولی چل گئی	۱۰۶
جھوٹے کو فوراً سزا ملی	۱۰۷
روضۂ عباسؑ پر لٹکی ہوئی تلوار ایک سید زادے کے پاس آ کر گری	۱۰۸
آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے لکھنو میں حضرت عباسؑ کی درگاہ پر منتی علم چڑھوایا۔	۱۰۹
حضرت عباسؑ نے لڑکے کے کٹے ہوئے بازو جوڑنے کے بعد قید سے بھی رہائی دلا دی۔	۱۱۳
چلتی ریل گاڑی سے گرنے والا بچہ زندہ بچ گیا	۱۱۵
حضرت عباسؑ نے ڈوبتے ہوئے جہاز کو بچالیا	۱۱۶
ہندو بنیے کی آنکھ ٹھیک ہوگئی	۱۱۸
کانپور (یو پی) انڈیا میں واقع محلّہ گوالٹولی کی کربلا کا ایک حیرت انگیز معجزہ	۱۱۹

نیپال کی ترائی میں نبیؐ کے لال کا ماتم ۱۲۱
حضرت عباسؑ کے علم کا پٹکا بیمار کے جسم سے لگا
اور وہ ہوش میں آ گیا ۱۲۵
ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ معجزہ پر معجزہ۔ ۱۲۷
بڑے امام باڑے کھارادر میں منبر رسولؐ کے پاس نصب
علم حضرت عباسؑ سے پانی کی بوندیں ٹپکتی رہیں ۱۳۱
مہاراجہ گوالیار کی سواری، زیر سایہ حضرت عباس علیہ السلام ۱۳۲
حضرت علیؑ کے ہاتھوں ایک ہندی زائر کی مشکل کشائی ۱۳۲
علم مبارک حضرت عباس علیہ السلام پر شبیہیں نظر آنے لگیں ۱۳۶
باب المراد از مولانا ذیشان حیدر جوادی ۱۳۷
زیارتِ قبر مطہر حضرت عباس علمدارؑ از محمد رضا مرچنٹ ۱۴۹

اظہار تشکر

غازی کے ارادے میں الٹ پھیر نہیں ہے
عباسؑ کے آنے میں بس اب دیر نہیں ہے
ہیں شیر علیؑ سب پہ زبردست رہیں گے
عباسؑ کے تو نام میں بھی زیر نہیں ہے

(سید مختار عابد برقی)

جب کوئی کام کیا جاتا ہے تو اس میں رہبری۔ رہنمائی اور مدد کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔ میں خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ میرے ہر کام میں اہلبیت کی مدد شامل رہتی ہے اور مشکل سے مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے منہ پر ہر دم درود محمد آل محمد علیہم السلام کا ورد رہتا ہے۔ اس طرح میں دو فائدے اٹھا رہا ہوں۔ ایک درود کے ذریعہ آل محمد علیہم السلام کا اظہار تشکر کرتا ہوں۔ دوسرے اجر رسالتؐ ادا کرتا ہوں۔ ساتھ ساتھ اگر میں اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا نہ کروں تو یہ بددیانتی ہوگی۔ یہ صاحبان علم ہمیشہ اس کم علم کی علمی مدد فرماتے رہتے ہیں جس میں علامہ سرکار سید ذکی الاجتہادی صاحب قبلہ، علامہ طالب جوہری صاحب قبلہ، علامہ علی حسنین شیفتہ، علامہ رضی جعفر نقوی صاحب، علامہ راحت حسین ناصری صاحب عالی جناب سید رضا رضوی صاحب، سید محمود الحسن رضوی صاحب، سید مبشر رضوی صاحب۔ حضرت سردار نقوی اور حضرت تجر جونپوری صاحب، کاتب معظم علی خان صاحب رام پوری، رضا انصاری، سید دبیر حسین رضوی اور سید سجاد حیدر، مرزا علی سعید بفضل خداوند کریم ان تمام حضرات کو آل محمد علیہم السلام کے صدقے میں عروج عطا ہو اور صحت کامل۔ آمین

محمد وصی خان

بسم اللہ الرحمان الرحیم

مانگا تھا اسے خدا سے نُصرت کے لیے
حیدر کی یہ مقبول دعا ہے عباسؑ
(احسن طبا طبائی)

اجمالی تعارف

ازقلم معجز رقم، برجیس حشمت، کوکب تابندہ فصاحت، ماہ درخشندہ جبین بلاغت، نیرِ اعظم سپہر خطابت، تاجدار ذی وقار، اقلم طلاقت، سلطان المتکلمین، صدر العلماء والمجتہدین، العمادی والاعتمادی سرکار حجۃ الاسلام علامہ سید ذکی الاجتہادی الرشتی، عامل فیض روحانی۔

محمد وصی خان صاحبِ تصانیف کثیرہ، صدر تبلیغی ادارہ محفل حیدری ناظم آباد کراچی اپنی مخلصانہ خدمات کی وجہ سے ملت جعفریہ کے افراد اور شیعان حیدرؑ کرار کے درمیان کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ خالص دینی جذبے کے تحت جو کار ہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں وہ لائق تحسین ہیں۔

محفل حیدری کے زیر اہتمام آپ نے عرصہ سے مذہبی نشریات کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے جس کے تحت آپ اب تک تقریباً 35 عدد سے زیادہ کتابیں فضائل آل محمد علیہم السلام کے سلسلہ میں ہدیہ قارئین کر چکے ہیں۔ جن میں ایک معرکتہ الآرا کتاب ''تشکیل پاکستان میں شیعان علیؑ کا کردار'' مرتب کر کے شیعہ قوم کا سر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلند کر دیا ہے اور قوم پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔ کتاب ''تشکیل پاکستان میں شیعان علیؑ کا کردار'' کے سلسلہ میں قوم کے ہر فرد سے گزارش کروں گا کہ وہ اس کتاب کو سند کے طور پر اپنے گھروں کی زینت بنائیں۔ خود پڑھیں اور دوسرے حضرات کو پڑھائیں۔

زیرِ نظر کتاب حضرت ابوالفضل العباسؑ ابنِ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و معجزات پر مشتمل ایک مبسوط مجموعہ ہے جس میں عہد قدیم سے لے کر عہد جدید تک کے واقعات حوالوں کے ساتھ درج ہیں، جس کے مطالعے سے قاری حضرات کو عباس علمدار علیہ السلام کے اس روحانی تصرف کا اندازہ ہوسکتا ہے جو فقط انبیا و اولیا کا حصہ ہے۔

میں نے اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ مولف عالی قدر محمد وصی خان نے اس ایک مجموعہ میں حضرت عباس علیہ السلام کی معجزاتی زندگی کے اتنے مختلف اور گوناگوں نقوش جمع کرنے کی کوشش کی ہے جن کا احصاء ایک کتاب میں بظاہر مشکل تھا لیکن مولف اس مشکل سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

حضرت عباس علیہ السلام مظہر العجائب اور معجز نما کے بیٹے ہیں۔ ان کی ذات سے معجزات کا ظہور ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ جہاں تک مجھ کو یاد پڑتا ہے میرے سامنے عراق میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے اس فرزند کے روضہ مبارک پر دو معجزے ظہور پذیر ہوئے۔

پہلا معجزہ میں نے ۹ سال کی عمر میں دیکھا اور دوسرا معجزہ دوران تعلیم۔

ان معجزات کو ہدیہ قارئین کر رہا ہوں تاکہ مومنین کے ایمان اور علم میں مزید اضافہ ہو جائے اور یہ معجزات کتاب کی زینت بھی بن جائیں تاکہ ہمیشہ کے لیے یادگار ہو جائیں۔

پہلا معجزہ

اصلی اور نقلی سیّد کی پہچان

یہ واقعہ ۱۹۴۰ء کا ہے اس وقت میری عمر ۹ سال کی تھی اور میں اپنے والدین کے ہمراہ زیارت سید الشہداء کے لیے عراق آیا ہوا تھا۔ ایک دن حرم حضرت عباس علیہ

السلام میں اپنے والدین کے ہمراہ موجود تھا کہ حرم میں ایک دم سے شور ہوا۔ ایک جگہ پر بہت سے لوگ جن میں حرم کے خدام بھی شامل تھے ایک عرب کو بری طرح مار رہے تھے۔ مار کھانے والے شخص کے سر پر ہرا کپڑا بندھا ہوا تھا۔ یہ لوگ مارتے بھی جارہے تھے اور اس ہرے کپڑے کو اس سے چھین بھی رہے تھے جس کو یہ شخص مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوئے تھا۔ آخر میں خدام نے اس شخص سے ہرا کپڑا چھین لیا اور اس کو زبردست طریقہ سے دھکا دے کر الگ کردیا۔ جس کی وجہ سے یہ شخص زمین پر گر گیا۔

بڑی بیتابی کے ساتھ زمین سے اٹھ کر یہ روضۂ حضرت عباس علیہ السلام کی طرف دوڑا اور حرم میں داخل ہوتے ہی اس نے مرقد اطہر کی جالی سے اپنے سر کو ٹکرادیا اور زور زور سے روتے ہوئے بلند آواز میں عباسؑ عباسؑ کہتا اور اپنا سر برابر جالی سے مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا اب میری بہت بے عزتی ہوچکی، آج آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ میں سید زادہ ہوں یا نہیں۔ نہیں تو میں اس وقت تک آپ کے مرقد کی جالیوں سے سر ٹکراتا رہوں گا جب تک آپ فیصلہ نہیں کردیتے۔

اس شخص کو فریاد کرتے ہوئے کچھ ہی وقفہ گزرا ہوگا کہ اچانک حرم کے اندر ایک نظروں کو چکا چوند کردینے والی روشنی پیدا ہوئی جس نے سب کو اچنبھے میں ڈال دیا۔ ناگاہ مرقد اطہر کی چھت سے ہرے کپڑے کا ایک ٹکڑا اس شخص کے سر پر گرا حرم مبارک کے خدام اور دیگر افراد اس عرب کی طرف دوڑے کچھ معافی مانگنے لگے اور بعض اس کے جسم کے کپڑے نوچنے لگے۔

جناب عباسؑ نے معجزاتی طریقہ سے بتا دیا کہ یہ سید زادہ ہے۔ اس عرب نے خدام کے ذریعے اس ہرے کپڑے کو جو حضرت عباسؑ کی طرف سے عطیہ ہوا تھا تمام حاضرین میں تقسیم کردیا ایک چھوٹا ٹکڑا میری والدہ کو بھی ملا جو اب تک میراث کے طور پر میرے پاس موجود ہے۔

دوسرا معجزہ

افریقہ کے خوجہ کا کھویا ہوا بٹوا مل گیا

یہ واقعہ ۱۹۵۳ء کا ہے جب میں نجف اشرف سے فارغ التحصیل ہو کر وطن عزیز واپس آنے کی تیاری کر رہا تھا۔ انہی دنوں افریقہ سے ایک خوجہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ زیارت سید الشہداؑ کو آیا ہوا تھا۔ ایک دن وہ اکیلا حرم مبارک حضرت عباس علیہ السلام میں تھا کہ کسی نے اس کا بٹوا چوری کرلیا۔ وہ اپنے اس بٹوے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اس کی نگاہ ایک جانب فرش پر گئی وہ اس طرف گیا اور جھک کر بٹوا اٹھانے لگا۔

اسی دم ایک عرب وہاں آیا اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ تم کیا کرتے ہو۔ یہ بٹوا میرا ہے۔ دونوں میں تکرار بڑھ گئی لوگ جمع ہوگئے۔ اس پر لوگوں نے کہا جھگڑے کو ختم کرو اور تم دونوں الگ الگ بتاؤ اس بٹوے میں کیا ہے۔ خوجہ نے کہا اس میں بینک کا ڈرافٹ، پونڈ، عراقی کرنسی وغیرہ ہیں۔ عرب نے کہا اس بٹوے میں میرا فوٹو اور چند دینار ہیں۔ لوگوں نے جب بٹوے کو دیکھا تو اس کے اندر عرب کا فوٹو اور دینار کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس پر سب نے مل کر خوجہ کو خوب مارا اور بے عزت کر کے حرم سے نکال دیا۔

یہ خوجہ زخمی حالت میں روتا ہوا نجف اشرف کی طرف پیدل روانہ ہوگیا۔ راہ میں روتا جاتا تھا اور حضرت علی علیہ السلام کا نام لے کر کہتا جاتا تھا کہ مولا آپ کے بیٹے کے روضہ پر زیارت کرنے گیا تھا خود میرا بٹوا چوری ہوا اور مجھ کو چور بنا کر بے عزتی کے ساتھ حرم سے نکال دیا گیا مولا اب میں بچوں کو کیا کھلاؤں گا۔ کس طرح وطن واپس جاؤں گا۔ مولا حضرت عباسؑ دیکھتے رہے۔ ان کے حرم میں میری بے عزتی ہوتی رہی۔

وہ زور زور سے فریاد کرتا ہوا نجف اشرف کی طرف جا رہا تھا اس کا گزر نہر حسینی

کے پاس سے ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک گھوڑا سوار نجف کی طرف سے آ رہا ہے اور وہ قریب آ کر رک گیا اور اس سوار نے خوجہ سے دریافت کیا: بھائی تم کو کیا پریشانی ہے اور زخمی حالت میں پیدل کہاں جا رہے ہو؟

خوجہ نے جواباً کہا: بھائی نجف اشرف جا رہا ہوں اپنے مولا کی خدمت میں فریاد کرنے اور حضرت عباس علیہ السلام کی شکایت کرنے کہ ان کے روضہ مبارک پر میری بے عزتی ہوئی ہے۔

سوار نے کہا: بھائی تم میری جیب سے بٹوا لے لو ۷۰ میل زخمی حالت میں کس طرح جاؤ گے۔

خوجہ نے کہا: نہیں بھائی صرف اٹھانے پر اتنی مار پڑی ہے اگر جیب سے نکال لوں گا تو کیا حشر کرو گے۔ اور اب تو پولیس سے پکڑوا دو گے۔ نہیں بھائی تم اپنا راستہ لو مجھ کو نجف جانے دو۔

سوار نے کہا: نہیں نہیں میں کچھ نہیں کہوں گا تم بٹوا لے لو۔ سوار نے یہ سب بڑی عاجزی سے کہا۔

اب اس خوجہ نے کہا اگر واقعی تم کو بٹوا دینا ہے تو اپنے ہاتھ سے دے دو۔ اس پر سوار نے بیکسی کے عالم میں بڑی مایوسی کے ساتھ کہا: بھائی میرے ہاتھ تو کربلا میں شہید ہو گئے اب ہاتھ کہاں۔ یہ کہہ کر سوار نظروں سے غائب ہو گیا۔

بٹوا نیچے زمین پر پڑا ہوا تھا جس کو اس نے جھک کر اٹھا لیا۔ دیکھا تو یہ واقعی اس کا بٹوا تھا اور ساری چیزیں اس میں اسی طرح موجود تھیں۔ یہ اسی حالت میں دوڑتا ہوا حرم حضرت عباس علیہ السلام میں واپس آیا۔ اور زور زور سے بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔

لوگوں! میرا بٹوا مجھ کو مل گیا۔ مشکل کشاء کے لخت جگر حضرت عباس علیہ السلام نے میرا بٹوا مجھ کو واپس دے دیا۔ اس کے بعد اس خوجہ نے چوہدری اسحاق کے مسافر خانہ میں ایک شاندار مجلس حسینؑ کا اہتمام کیا اور مجھ کو اس مجلس سے خطاب کرنے کے

لیے کہا۔مجلس بڑی شاندار ہوئی جس میں کافی لوگوں نے شرکت کی۔

حضرت عباس علیہ السلام کی معجزہ نمائی پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ مظہر العجائب اور معجز نما کے بیٹے ہیں جن کے باپ کے تصرف میں کل کائنات ہے اسی طرح ان کے بیٹے کے تصرف میں بھی پروردگار عالم نے دنیا کی ہر چیز رکھ دی ہے۔

بارگاہ معبود میں دست بہ دعا ہوں کہ وہ فاضل مولف جناب محمد وصی خان کی اس عظیم قلمی کاوش کو قبول فرمائے اور انہیں دین و مذہب کی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرماتا رہے۔

امید کرتا ہوں کہ ملت کے باذوق حضرات اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں گے اور خصوصاً نسل نو کے افکار ونظریات کو اس کتاب کے ذریعہ مذہب اسلام کی جاذبیت، افادیت و ہمہ گیری کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔ اسی طرح منکر معجزات اور کرامات کے لیے یہ ایک کھلی ہوئی کتاب ہے وہ اس کو پڑھنے کے بعد اسلام کی ان عظیم ہستیوں پر ایمان لے آئیں گے اور یہی اس کتاب کی اشاعت کا اہم ترین مقصد ہے۔

چند وظائف منسوب بنام جناب حضرت عباسؑ

۱۔ اگر آپ لوگوں کو پریشانی لاحق ہو تو ایک نشست میں ۱۳۳ مرتبہ اس دعا کی تلاوت کیجئے پھر آپ اس عمل کا معجزہ دیکھئے۔

دعا:۔ يَاكَاشِفَ الْكَرْبِ عَنْ وَجْهِ الْحُسَيْنِ اكْشِفْ كَرْبِيْ بِحَقِّ اَخِ الْحُسَيْنِ۔

مطلب :۔ اے امام حسین علیہ السلام کے چہرے سے سختی دور کرنے والے میرے کرب کو حسین علیہ السلام کے بھائی عباسؑ علیہ السلام کے حق کی قسم دور کر۔

وظیفہ کرنے والے حضرات کی خدمت اقدس میں یہ بیان کرتا چلوں کہ حضرت ''عباس'' کے اعداد ۱۳۳ ہیں اور اس ہی طرح ''باب حسین'' کے اعداد بھی ۱۳۳ ہیں۔

۲۔ اسی طرح رزق حلال میں خیر، ترقی اور برکت کے لیے بھی جناب عباس علیہ السلام کے نام نامی اسم گرامی سے ایک وظیفہ اور تحریر کئے دیتا ہوں جس کو ہر روز نماز کے بعد پچیس (۲۵) دفعہ پڑھ لیا کیجئے۔ ان شاء اللہ کچھ ہی دنوں بعد معجزاتی طور پر آپ کو جو فائدہ ہوگا۔ وہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

عمل:

عباسؑ اے شہید گروہ مخالفاں
دانم یقین توئی پسر شاہ انس وجاں
کن مظلم رواتو بحق برادرست
اے سرجدا ماریہ سقائے تشنگاں

۳:۔ آیت اللہ العظمیٰ آقائے سید مہدی بحرالعلوم نے اپنی علمیات کی کتاب میں مندرجہ ذیل ایک عظیم وظیفہ تحریر کیا ہے ان کی روایت کے مطابق اس وظیفہ کو حضرت زعفر جنؒ پریشانی اور مصیبت کے ایام میں تلاوت فرماتے تھے۔ آپ بھی اس معجزاتی وظیفہ سے فائدہ اٹھایئے۔ اس وظیفہ کو ۱۳۳ مرتبہ بعد نماز صبح پڑھنا چاہیے۔

یاوالینا یاولی اللہ اغثنیٰ
یاقرۃ عین اسد اللہ اغثنی
قدجھت الیٰ بابک اللہ اغثنی
ارحم النبیّ لیا اللہ اغثنی
من کانا سواک ملک الجنۃ الناس
لاوالنا غیرک یا حضرت عباسؑ

آخر میں اس کتاب کی مقبولیت اور وصی خان کی صحت درازی عمر اور زور قلم کے لیے دعا گو ہوں۔

خاک پائے اہلبیتؑ

۲ دسمبر ۱۹۸۲ء مرحوم سیّد محمد ذکی الاجتہادی

مقدمہ

تحریر:۔ استاد محترم محقق عصر علامہ علی حسنین شیفتہ تاج الافاضل

بعد حمد و درود و منقبت آل اطہارؑ، گزارش ہے کہ پروردگار عالم نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے جن نمائندوں کو بھیجا ہے، انہیں اگر چہ لباس بشریت ہی میں اس دنیا میں خلق فرمایا، تاکہ انسان ان سے مانوس بھی ہوں اور نمائندگان خدا کی پاکیزہ سیرت ان کے لیے نمونہ عمل اور دستور حیات بھی ثابت ہو۔ لیکن اللہ نے اپنے نمائندوں کو ضروری طور پر کچھ ایسی غیر معمولی قوتیں بھی عطا فرمائی ہیں جن سے ان کی پہچان ہوتی ہے اور عام انسان ان قوتوں کے سامنے، چونکہ عاجز ہوتے ہیں، لہٰذا ان قوتوں کو معجزہ کہا جاتا ہے۔

یہ سنت الٰہیہ ہے کہ ہر زمانے کے انسانوں کی ہدایت کے لیے اور ان پر اللہ کی حجت قائم کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی من جانب اللہ ہادی اور حجت خدا موجود رہا ہے اور جب تک نوع بشر باقی ہے تب تک یہ سلسلہ ہدایت و اتمام حجت بھی قائم رہے گا۔ کیونکہ اللہ کی سنت بدلتی نہیں۔ اور اس کے قانون میں ترمیم نہیں ہوتی۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتمؐ الانبیاء تک حسب ضرورت نبیؑ و رسولؑ من جانب اللہ آتے رہے اور ایک کے بعد دوسرے کے ذریعہ انسانوں پر اللہ کی حجت قائم ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ جب نبوت و رسالت کی ضرورت باقی نہیں رہی تو سید الانبیاء و المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلسلہ نبوت و رسالتؐ کو ہمیشہ کے لیے اللہ نے ختم کردیا۔

لیکن چوں کہ آنحضرتؐ کے بعد بھی نوع بشر کو باقی رکھنا اللہ کو منظور تھا، اور بعد رسالت مآبؐ، قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لیے من جانب اللہ ہدایت اور

اتمام حجت خدا کی ضرورتیں باقی ہیں، لہٰذا اللہ نے اوصیاء رسولؐ وائمہ معصومین کے ذریعہ سلسلہ ہدایت و اتمام حجت کو قیامت تک کے لیے باقی رکھا اور بحمداللہ آج بھی ہمارے بارہویں امام معصوم اور آخری حجت خدا حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کے وجود ذی جود سے من جانب اللہ ہدایت اور اتمام حجت جیسے انتہائی اہم تقاضے پورے ہو رہے ہیں۔

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ معجزہ بہرحال اللہ والوں کی پہچان ہے اور معجزہ اس غیر معمولی کام کو کہتے ہیں جو مادی اسباب کے بغیر نمائندہ خدا یعنی حجت اللہ سے ظاہر ہوتا ہے اور عام انسانوں میں سے سب کے سب اس کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔

یہاں اس امر کو بھی ذہن میں رکھیے کہ معجزہ اور سحر یا جادو دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ معجزہ حق اور دلیل حق ہے۔ جبکہ سحر یا جادو باطل اور کار باطل ہے۔ معجزہ واقعیت پر اثر انداز ہوتا ہے اور سحر یا جادو محض نگاہ کا دھوکہ ہوتا ہے۔ جادو کا واقعیت پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ محض وہم ہی وہم ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بھی عرض کروں کہ اصطلاحی طور پر لفظ ''معجزہ''۔ نبیؐ و امامؑ معصوم سے ظاہر ہونے والے امر کو کہتے ہیں اور دیگر اولیاء اللہ و خاصان خدا سے ظاہر ہونے والے ایسے ہی امور کو کرامت کہتے ہیں۔

ہمارے آقا حضرت عباس علمدار علیہ السلام اگرچہ خود امام معصومؑ نہیں تھے لیکن خانوادہ عصمت وطہارت میں پیدا ہوئے۔ معصومینؑ کی عنایات وسرپرستی میں نشونما پائی اور محبت واطاعت معصومینؑ سے طہارت نفس وعظمت کردار کے ان اعلیٰ ترین مراتب پر فائز ہوئے جن پر فائز ہونے والا معصومؑ نہ ہوتے ہوئے بھی معصومؑ معلوم ہوتا ہے۔

وہ فرزند امیر المومنینؑ ہیں، برادر امام حسنؑ و امام حسینؑ ہیں اور لشکر حسینیؑ کے علمدار ہیں۔

وہ کربلا میں صرف علمدار لشکر سید الشہداء ہی نہیں تھے بلکہ وہ فرزند رسولؐ امام

حسین علیہ السلام کے لیے قوت بازو بھی تھے اور جناب زینب سلام اللہ علیہا بنت امیر المومنین سمیت تمام اہل بیت رسولؐ کے لیے ڈھارس اور سہارا بھی تھے۔

ہم سب کے آقا، چھوٹے حضرت، پیکر وفا، جناب عباس علیہ السلام کے مراتب عالیہ کا انداہ لگانے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ان شہداء کربلا میں علمدار کی حیثیت رکھتے ہیں جن پر تو ائمہ معصومین علیہم السلام سلام بھیجتے رہے، جن کی زیارت کا حکم وہ اہل ایمان ومودت کو دیتے رہے اور جن کی زیارت میں یہ کلمہ بھی آیا کہ

''اے کربلا کے شہیدو، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں''۔

ظاہر ہے کہ علمدار حسینؑ جیسی عظیم المرتبت ہستی سے کرامات عظیمہ کا ظاہر ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ یہ تو ان کے عند اللہ مراتب عالیہ اور درجات رفیعہ کا معمولی تقاضا ہے۔ کیونکہ ان کی کرامت سے نہ صرف یہ کہ ان کے بھائی امام حسین علیہ السلام کی عظمت وحقانیت ظاہر ہوتی ہے بلکہ پورے خاندان رسالت وامامت کی عظمت وحقانیت کا ظہور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ زائرین کرام کے مطابق روضہ علمدار سے جتنی کرامات آئے دن ظاہر ہوتی رہتی ہیں اتنی خود سرکار سید الشہداؑ کے روضہ مبارک سے ظاہر نہیں ہوتیں۔ درحقیقت یہ بھی سید الشہداؑ امام حسین علیہ السلام کی اپنے بھائی حضرت عباس علیہ السلام پر بے شمار عنایات میں سے ایک عنایت خاص ہے۔

خانوادہ رسالت وامامت ایک معجز نما گھرانہ ہے۔ اس گھرانے سے توسل کے بغیر نہ کوئی ولی بن سکتا ہے نہ صاحبِ ایمان۔ تمام کے تمام اولیا اللہ اسی خانوادہ عصمت وطہارت کی غلامی کو اپنے لیے سرمایہ ایمان وافتخار سمجھتے ہیں اور جب خاندانِ رسالت کی غلامی پر فخر کرنے والے اولیاء اللہ سے کرامتیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں تو فرزند علیؑ وبرادر حسنین علیہما السلام حضرت عباسؑ علمبردار لشکر امامؑ کی کرامات کا کیا کہنا۔ انہیں جہاں بھی یاد کیا جائے وہ اپنے چاہنے والوں کی فریاد رسی کو آتے ہیں۔

میرے عزیز دمحترم جناب محمد وصی خان صاحب لائق صد تحسین وآفرین ہیں کہ

انہوں نے معجزات حضرت عباس علیہ السلام کے کچھ واقعات کو کتابی شکل میں اہل ایمان و مودت کے لیے جمع کردیا ہے۔ عام بول چال کی زبان میں کرامات کو بھی معجزات ہی کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ کتاب اہل ایمان کے لیے ایک نعمت بیش بہا ہے۔ جناب محمد وصی خان صاحب نے اپنی پرجوش خدمات کے ذریعے دینی ادب میں ایک مختصر سے عرصے میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اب تک ۳۵ کتابیں ان کی تحقیق و تالیف سے طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں اور اس سے زیادہ تحقیق و تالیف کی منزلوں سے گزر رہی ہیں۔ پروردگار عالم ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

ان کی ایک تحقیقی کتاب ''تشکیل پاکستان میں شیعان علی کا کردار'' پر پوری قوم کی جانب سے دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اللہ انہیں دین حق کی قلمی خدمات کے لیے زیادہ سے زیادہ صحت و حیات عطا فرمائے۔ بحق محمد و آل محمد علیہم الصلوٰۃ السلام

مرحوم علی حسنین شیفتہ تاج الافاضل

صبح یوم جمعہ ۲۱ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

مطابق، جنوری ۱۹۸۳ء

سرکار دوجہاں پہ نبوت تمام ہے
شیر خدا پہ شان شجاعت تمام ہے
شبیرؑ پر وقار شہادت تمام ہے
عباسؑ پر وفا کی حقیقت تمام ہے
بیعت وفا نے جس پہ کی وہ ان کا ہاتھ ہے
یہ ہیں وفا کے ساتھ وفا ان کے ساتھ ہے
(سرولرنقوی)

تقریظ

ازمولانا عون محمد نجفی صاحب قبلہ

امام جمعہ و جماعت مرکزی شیعہ جامع مسجد ٹنڈو آدم سندھ۔

قابل ستائش ہیں وہ ذوات جن کے لیے خلاق عالم نے اس کائنات کو خلق کیا اور اس پوری کائنات کو ان برگزیدہ ہستیوں کے تصرف میں دے دیا۔ اب ان کو قیامت تک کے لیے اختیار کل حاصل ہے جس طرح اور جیسے چاہیں اس کائنات پر حکومت کریں۔ ان کا معمولی سا اشارہ چاند کے اگر دو ٹکڑے کر دیتا ہے تو اس میں تعجب نہ ہونا چاہیے۔ اگر سورج واپس ہو کر پھر سے طلوع ہو جاتا ہے تو یہ بھی ان کے حکم کے تابع ہے۔ سورج اور چاند کا حکم ماننا ان کی اطاعت اور فرمانبرداری میں شامل ہے کیونکہ ان ہستیوں نے اپنے نفسوں کو خالق کائنات کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے چنانچہ مالک کائنات نے اس کائنات کی ہر چیز کو ان کے اختیار میں دے دیا۔ اسی وجہ سے دنیا کی ہر چیز پر ان کا اختیار ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے اعجاز سے کچھ کر دیتے ہیں تو دنیا حیران ہو جاتی ہے اور اسکو معجزہ کہہ بیٹھتی ہے۔

محمد وصی خان صدر تنظیم عزا (رجسٹرڈ) نے اس کتاب سے پہلے کئی کتابیں ہدیہ قارئین کی ہیں۔ مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے معجزات پر بھی مشتمل ایک کتاب شائع کر چکے ہیں جس میں امیر المومنین کی ذات سے منسوب ایک سو دس حیرت انگیز واقعات ہیں۔

اب جناب نے مظہر العجائبؑ کے لخت جگر حضرت عباسؑ قمر بنی ہاشم، فخر عجمؑ، زینت عرب، حمزہؑ کا رعب، شوکت جعفر طیار، علیؑ کی آن، حسنؑ کی شان، حسینؑ کی جان،

وفا کی عظمت کا نشان، صف شکن، تیغ زن، شجاعت کے تاجدار، کرامت کے سردار، عبادت گزار، فرزند صاحب ذوالفقار، برادرشہ ابرار، ام البنینؑ کے لال، حیدرؑ کا جلال، زینبؑ کے بھائی، حسینؑ کے شیدائی کے معجزات اور کرامات کو پہلی مرتبہ یکجا کر کے اردو زبان میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

یقیناً یہ ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے اور اجر رسالت ادا کرنے کا ایک بہترین ذریعہ۔ اس کتاب کو میں نے پڑھا، پسند آئی۔ آپ لوگوں کو بھی پسند آئے گی۔ خداوند کریم محمد وصی خان کے قلم میں مزید زور عطا کرے۔ ان کو صحت عطا ہو تا کہ یہ اسی طرح دین کی مزید خدمت کرتے رہیں۔

سید عون محمد نجفی

مرکزی شیعہ مسجد ٹنڈو آدم سندھ

امام زمانہؑ کے حضور میں

مُشکل قدم قدم پہ ہے راہ حیات میں
مُشکل کا سامنا ہے یہاں بات بات میں
لیکن جو بات بات میں مُشکل کو حل کرے
ایسا کوئی ضرور ہے اس کائنات میں

(سردار نقوی)

برموقع معجزہ (احمدی)

نتیجۂ فکر: پروفیسر کمال الدولہ

شہؑ یہ کہتے تھے بہشتی مرے بھائی عباسؑ
کون ساعت تھی جو یہ مشک اٹھائی عباسؑ

معجزہ فیض قدم سے تمہارے یہ ہوا
جان بلقیس کی خالق نے بچائی عباسؑ

میں تھی مصروف سجانے میں علم کے پٹکے
شمع نے چادر بلقیس جلائی عباسؑ

ایک شعلہ سا بھڑکتا تھا عزاخانہ میں
مجھ کو آنکھوں سے نہ دیتا تھا دکھائی عباسؑ

معجزہ یہ تھا کہ شعلوں کا اثر کچھ نہ ہوا
تعزیہ خانے پر کچھ آنچ نہ آئی عباسؑ

میں نے پہچان لیا جان لیا کون تھا وہ
وہ تمہیں تھے کہ جو یہ آگ بجھائی عباسؑ

لا کے تشریف مرے گھر میں نہ ٹھہرے حضرت
شکل زیبا نہ مجھے اپنی دکھائی عباسؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عباس ابن علی علیہ السلام ایک مثالی کردار

مرنے جینے کا سبق سکھلادیا عباسؑ نے
جن کے دم سے آج بھی معجزات ظاہر ہوتے ہیں

زینبؑ کا سہارا ہیں سکینہؑ کی مراد
شبیرؑ کی نبضوں کا لہو ہیں عباسؑ

ولادت باسعادت:

وہ دیکھیے عرب کا ریگستان ہے یہ آبادی جو نظر آرہی ہے مسلمانوں کی بستی مدینہ ہے۔ دو آدمی بیٹھے آپس میں کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ آیئے سنیں کہ کیا گفتگو ہے۔
ایک نے دوسرے سے کہا:

بھائی عقیلؑ میں چاہتا ہوں کہ عرب کے کسی شجاع قبیلے میں عقد کروں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک بہادر فرزند عطا کرے۔ بھیا عقیلؑ مجھ کو ایک خاص مقصد کے لیے ایک ایسے فرزند کی ضرورت ہے۔

عقیلؑ نے کہا: بھائی علیؑ میں اہل عرب کے نسب سے خوب واقف ہوں اس وقت اس مقصد کے لیے قبیلہ بنی کلاب میں حزام بن خالد کی صاحبزادی فاطمہؑ میری نظر میں ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو سلسلہ جنبانی کروں

(اسرار الشہادۃ از آقاء دربندی طبع ایران)

اور پھر ایک روز وہی معظمہ بنو ہاشم کے ایک کچے مکان میں دلہن بن کر آ گئیں۔
قدم گھر میں رکھے ہی تھے کہ اس محترمہ نے بچوں کو جمع کیا اور کہا:
بچو! ادھر آؤ دیکھو میں تمہاری خادمہ بن کر آئی ہوں۔

تاریخ میں تو اتنا ہی ہے لیکن ممکن ہے یہ بھی کہا ہو:

زینبؑ بیٹی میں تمہارے بال سنواروں۔ حسنؑ و حسینؑ بیٹے اپنی خادمہ کو اشارہ کرو میں تم ہی لوگوں کے لیے خدمت کرنے آئی ہوں۔

اور پھر ۴ شعبان یا، رجب ۲۶ھ کو اللہ نے اس بی بی کی گود بھر دی۔ ایک چاند سا بیٹا خدا نے عطا کیا۔ حسینؑ نے سنا تو آئے گود میں لیا۔ پیار کیا۔ تیکھی چتون اور بازو دیکھے تو کہا یہ عباسؑ ہے میرا عباسؑ۔ بپھرے ہوئے تیور دیکھ کر حسینؑ نے عباسؑ کہا۔

حسن و جمال نے دنیا والوں سے قمر بنی ہاشم کہلوایا اور ماں ام البنینؑ کے لقب سے یاد کی جانے لگیں۔ جب یہ چاند سا بیٹا ماں کی گود میں ذرا غوں غاں کرنے لگا، حسینؑ کو دیکھ کر ہمکتا، حسینؑ بھائی کو گود میں لے کر بھینچ لیا کرتے۔ بچہ بھائی کی آغوش میں نہ جانے کیوں کھلا پڑتا اور اگر حسینؑ چھوڑ کر جانے لگتے تو انہیں کی طرف دیکھا کرتا۔ یہاں تک کہ حسینؑ نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔

لڑکپن کا زمانہ اور گھر کے باہر کا ماحول

اس ضمن میں بس صرف ایک صحابی رسولؐ کی زندگی کے دو باب ملاحظہ فرمائیں آپ کو ماحول کا اور لوگوں کی ذہنی کیفیات کا اندازہ ہو جائے گا۔

ایک موقع پر لوگوں نے دیکھا کہ مکہ معظمہ میں رسولؐ کریم کے معزز و معروف صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑے کھڑے ہیں لوگوں کا ہجوم ہے۔ پرشوق نگاہیں ان کی طرف لگی ہیں لوگ ان کی تقریر دلپذیر سننے کے مشتاق ہیں اور وہ لوگوں کو متوجہ کر کے فرما رہے تھے:

اے لوگو جو شخص مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو شخص مجھے نہیں جانتا میں اس کو مطلع کرتا ہوں کہ میں ابوذرؓ ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے جو شخص اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جس نے منہ موڑا وہ غرق ہوا۔

(بحوالہ ینابیع المودۃ، مصنفہ شیخ سلمان قندوزی صفحہ ۴۱۵ طبع لاہور)

اس کے علاوہ ابن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے حال ہی میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی سنی حنفی نے دو جلدیں تالیف فرمائی ہیں کہ نام ہی اس کتاب کا ہے "سفینہ نوح" اور وہ دونوں جلدیں اسی حدیث شریف پر مشتمل ہیں۔ پھر پتہ چلا کہ رسول اکرمؐ کے انہی صحابی کو حکومت وقت نے جلاوطنی کا حکم دیا ہے کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں اور وہ مقام جو انہیں ناپسند ہے یعنی ربذہ کو چلے جائیں اور خبردار کیا کہ کوئی ان کے ہمراہ نہ ہو اور نہ کوئی ان کو الوداع کہے۔ اگر کسی نے جرأت کی تو حکومت کے عتاب کا مستحق ہوگا منادی عام ہوگئی۔

(بحوالہ کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ صفحہ ۵۲۔ ۵۴۔ صحیح بخاری۔ طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۴۸، اموی دور خلافت از مولانا محمد باقر صاحب طبع کراچی صفحہ ۱۳۳)

کتابوں میں تو بس اتنا ہی ہے لیکن میں کہتا ہوں اس اعلان عام کا ردعمل ہونا لازمی تھا۔ ممکن ہے لوگ گلیوں میں کھڑے ہو کر چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں۔ کوئی کف افسوس ملتا ہوگا کسی نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا ہوگا: برا ہوا کیا زمانہ آ گیا ہے۔

ابوذرؓ اصحاب صفہ کی ایک نمایاں شخصیت، ابوذرؓ عابد و زاہد متقی پرہیزگار، ابوذرؓ جن کو بنابر روایت مسیح الاسلام کا لقب خود رسولؐ عطا فرمائیں ان کے ساتھ اور یہ سلوک۔ اور وہ وقت آ گیا کہ حضرت ابوذرؓ اپنی بیٹی کو لے کر ربذہ کی سمت روانہ ہوئے۔ بالکل قرین قیاس ہے لوگوں نے اپنے جھروکوں سے انہیں جاتے دیکھا ہوگا۔ کسی نے آنسو بہایا۔ کوئی آہ بھر کر رہ گیا اور پھر دیکھا گیا کہ کچھ لوگ ان کو الوداع کہنے چلے جا رہے ہیں۔

آگے آگے ایک بزرگ باریش میانہ قد، پُرجلال بڑی بڑی آنکھیں، گھٹا ہوا بدن، کاندھے پر عبا۔ یہ ہیں علی ابن ابی طالب علیہ السلام ان کے ہمراہ امام حسینؑ، امام حسنؑ، حضرت عمار یاسرؓ اور جناب عقیل ابن ابی طالب علیہ السلام بھی ہیں۔ مروان نے ان حضرات کو روکنا چاہا مگر حضرت علی علیہ السلام نے کوڑے سے خبر لی اور ڈانٹ

کر بھگا دیا۔

اس ماحول میں ہمارے شہزادے حضرت عباس علیہ السلام کا لڑکپن گزر رہا تھا۔ دن گزرتے گئے ابو طالبؑ کا پوتا، ابوترابؑ کا بیٹا پروان چڑھتا گیا۔ علیؑ سے کمالات حرب سیکھے، حسن کا حُسنِ خلق لیا اور حسینؑ سے صبر و ضبط کی تعلیم حاصل کی۔ ابھی بمشکل گیارہ برس کا سن ہوگا کہ ذی الحجہ ۳۶ھ میں صفین کی لڑائی چھڑ گئی۔

وہ جنگ جو تاریخ میں لیلۃ الحریر کے نام سے مشہور ہے جس میں صبح سے شام تک اور پھر رات بھر تلوار چلتی رہی لوگوں نے اشاروں سے نمازیں حالت جنگ میں ادا کیں۔ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا خون کے فوارے جسموں سے چھوٹ رہے تھے کہ اتنے میں دیکھا ایک لڑکا بمشکل گیارہ برس کا سن، تیکھی چتون ہاتھ میں ایک طویل نیزہ لیے صفوں کو چیرتا ہوا بڑھتا چلا جا رہا ہے، کاکلیں چھٹی ہوئیں، جوتے کے بند کھلے ہوئے۔ اس سن میں بھی یہ رعب ہے کہ کوئی مقابلہ پر نہیں آتا۔ یہ تھے حضرت عباس علیہ السلام
(ماخوذ از ذکر العباس مصنفہ مولانا نجم الحسن صاحب کراروی صفحہ ۳۴ طبع لاہور)

مروان کی زبان درازی:

وقت گزرتا گیا اور پھر اسی مدینہ میں یہ خبر گرم ہوئی کہ حاکم شام مر گئے ان کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا ہے۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ کسی نے کہا یہ رند مشرب ہے یہ امیر المومنین نہیں ہو سکتا۔ کسی نے کہا نہ صرف شراب پیتا ہے بلکہ اول درجہ کا زانی ہے۔ پھر حاکم مدینہ کے نام ایک خاص حکم آیا۔ لوگوں کو تشویش پیدا ہوئی۔ ایک سرکاری پیک محلہ بنی ہاشمؑ میں جاتا دکھائی دیا۔ اس نے سیدنا امام حسین علیہ السلام کو گھر پر حاکم کا پیغام پہنچایا کہ حضورؑ کو حاکم مدینہ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان نے یاد کیا ہے۔ کسی اہم معاملہ میں گفتگو کرنی ہے۔ امامؑ عالی مقام نے اس کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ اچھا تم چلو ہم آتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام جب گھر کے اندر واپس تشریف لے گئے تو بہنوں نے

چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر حضرت زینبؑ کو ان کے گھر جا کر مطلع کیا ہوگا۔

ممکن ہے۔ جناب زینبؑ خود آ گئی ہوں۔ اور بھائی سے پوچھا ہو:

بھیا آخر کیا بات ہے۔

یہ بھی ممکن ہے امام نے بہن کی چادر دیکھی ہو۔ شام کا بازار نظروں میں گھوم گیا ہو اور منہ دوسری طرف کر کے آنکھ صاف کی ہو اور کہا ہو: کچھ نہیں۔ کچھ نہیں بہن، حاکم نے بلایا ہے (ہائے مسلمانوں یہ کیسا وقت آ گیا اولاد رسولؐ اور دربار میں طلب کیا جانا) جاؤں گا۔

یقیناً جناب زینبؑ نے بھائی عباسؑ کو آواز دی ہوگی :عباسؑ ذرا دیکھنا بھائی کو حاکم نے بلایا ہے۔ اور حسینؑ جانا چاہتے ہیں۔

اور میرا دل کہتا ہے کہ عباسؑ علیہ السلام نے کہا ہوگا: بہن فکر نہ کرنا میں بھی ساتھ ہوں۔

تھوڑا وقت گزرا لوگوں نے دیکھا کہ حسینؑ چند جوانوں کے ہمراہ دارالامارۃ پہنچے۔ دروازہ پر پہنچ کر کہا: تم لوگ یہیں ٹھہرو میں اندر جاتا ہوں۔

ممکن ہے حضرت عباسؑ نے عرض کیا ہو: آقا یہ غلام کس لیے آئے ہیں۔

اور آقائے نامدار نے ارشاد فرمایا ہو: مجھے بلایا ہے میں جاتا ہوں۔ البتہ اگر میری آواز بلند ہو تو تم لوگ بے شک اندر آ جانا۔

امام عالی مقام اندر تشریف لے گئے حاکم نے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ پہلو میں جگہ دی ایک طرف مروان بھی بیٹھا تھا۔ یہ مروان وہ ہے جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا اور حضرت شیخین نے نہ صرف اس حکم (جلاوطنی) کو برقرار رکھا تھا بلکہ فاصلہ میں اور بھی توسیع کر دی تھی۔ لیکن اس کو حضرت عثمانؓ نے اپنے دور حکومت میں واپس بلا کر وزیر بنا لیا تھا۔ بہر حال رات کا وقت ہر طرف سناٹا چھایا ہوا قندیل روشن تھی گفتگو شروع ہوئی۔

حضور آپ کو اس وقت زحمت اس لیے دی ہے کہ حاکم شام کا انتقال ہو گیا۔ اس

کی آپ کو خبر دینی ہے اس کی جگہ اس کا بیٹا یزید سریر آرائے مملکت ہوا ہے۔ یہ خط آیا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ امام حسین علیہ السلام نے خط دیکھا اس میں طلب بیعت کی تاکید تھی۔ آپ نے فرمایا یہ معاملہ بیعت کا ہے اس وقت مناسب نہیں معلوم ہوتا کل مسجد میں لوگ جمع ہوں گے اس وقت یہ موضوع زیادہ بہتر رہے گا۔

حاکم نے کہا: ارشاد بجا ہے مجھے کچھ عذر نہیں۔

امام حسین علیہ السلام چلنے ہی والے تھے کہ مروان نے چپکے سے کہا کہ اگر حسینؑ اس وقت چلے گئے تو پھر کبھی ہاتھ نہ آئیں گے۔ یہ گفتگو حضرت امام علیہ السلام کے سمع ہمایونی میں پہنچی۔

آپ نے بلند آواز سے کہا: اے زن زانیہ کے بیٹے تیری یہ مجال کہ فرزند رسولؐ سے اس قسم کی باتیں کرتا ہے۔

آواز کا بلند ہونا تھا کہ جوانان بنی ہاشم تلواریں سونتے ہوئے درانہ گھس آئے ان آنے والوں میں سب سے آگے ایک بلند قامت جوان ہے۔ غصہ سے منہ سرخ ہے آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے۔ ہاتھ میں دو دستی تلوار ہے۔ یہ ہیں عباسؑ حسینؑ کے بھائی، علیؑ کے مرادوں والے فرزند، بنی ہاشمؑ کے چاند۔

مروان نے جو یہ صورت دیکھی گھبرا کر اندر زنان خانے میں بھاگ گیا۔ حسینؑ نے بھائی کا بازو پکڑا۔ ممکن ہے حاکم سے ان کے بپھرے ہوئے تیور کی طرف اشارہ کر کے کہا ہو: جانتے ہو یہ ہے میرا عباسؑ۔ اور پھر سب واپس چلے آئے۔ (شرعۃ المصائب صفحہ ۱۰ طبع نولکشور لکھنو)

مدینے سے روانگی:

رجب کا مہینہ ہے۔ مطالبہ بیعت پیش نظر ہے۔ امام حسین علیہ السلام فکر مند ہیں۔ لوگ آتے ہیں ملاقات کرتے ہیں۔

کسی سے آپ نے فرمایا: میں عنقریب سفر کرنے والا ہوں میرے نانا کا حکم یہی ہے۔ کسی سے کہا: کہ حج کے لیے جانا چاہتا ہوں۔

ممکن ہے بہن سے کہا ہو: بہن اب وہ وقت آ گیا جس کا اللہ سے وعدہ کیا ہے۔ اور بہن نے جواب دیا ہو: بھیا فکر نہ کرنا میں بھی علیؑ کی بیٹی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ماں نہیں ہے تو کیا ہوا زینبؑ جو ہے۔ پھر سفر کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ جانے والوں کی فہرست تیار کرنے کا کام حضرت عباسؑ کے سپرد ہوا۔ حضرت عباسؑ نے سرورق لکھا۔

''**نصر من اللّٰہ وفتح قریب**'' فہرست امام حسین علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئی حضرت نے دیکھا اور لکھا ''اناللّٰہ و انا الیہ راجعون'' امام حسین علیہ السلام کی ایک صاحبزادی جناب صغرا ہیں ان کو کچھ حرارت ہوگئی اور پھر بخار تیز ہوگیا۔ ام المومنین بی بی ام سلمہؓ کی لاڈلی تھیں وہی اس بچی کی تیمارداری کرنے لگیں۔ حسینؑ بیٹی کو دیکھتے اور منہ پھیر کر آنسو پونچھا کرتے۔

ممکن ہے بیٹی نے کہا ہو: بابا میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بابا دیکھئے نا بخار کم ہو گیا ہے۔ میں چل پھر سکتی ہوں میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔ کیوں دادی جان بھلا یہاں اکیلے کیا کروں گی؟

اور یقیناً سب نے کہا ہوگا: ہاں بیٹی خدا تم کو جلد شفا دے۔ کیوں نہ جائے گی۔

برابر میں جعفر طیار کے بیٹے عبداللہؓ کا مکان ہے ان کو جناب زینبؑ منسوب ہیں ان کے دو بچے عونؑ و محمدؑ نے جو ماموں کے سفر کی ہما ہمی دیکھی بولے: بابا ہم بھی جائیں گے۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا: میں بھی جانا چاہتا ہوں مگر تمہارے ماموں عذر کرتے ہیں کہ زمینوں کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ پھر زوجہ کی طرف مخاطب ہو کر بولے ہاں زینبؑ اگر تم جانا چاہتی ہو تو خوشی سے جاؤ۔ مجھے اس سفر کا علم ہے اور یہ میرے بچے بھی ساتھ لیتی جاؤ اگر کوئی وقت آئے تو ان کو میری طرف سے پیش

کردینا۔ سامان تم بھی درست کرلو......

محمد حنفیہؒ نے سنا وہ آئے اور کہنے لگے: یاحضرت کہاں کا ارادہ ہے اگر کوئی مہم ہے تو میں بھی چلوں میرے بازو ان شاء اللہ معرکہ صفین وجمل کی یاد تازہ نہ کردیں تو کہنا۔

اور امام نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے لیکن بھائی یہاں گھر کی خبر گیری کون کرے گا بہتر ہے آپ یہیں رہیں۔ آپ کے رعب کی وجہ سے گھر کا وقار قائم رہے گا۔

عبداللہ ابن عباسؓ مشہور محدث بھی تشریف لائے اور کہا: حسینؑ کہاں کا ارادہ ہے۔

فرمایا: مجھے نانا کا حکم ہے کہ میں سفر کروں۔

۲۷ رجب کی صبح نمودار ہوئی۔ سواریوں کا اہتمام ہونے لگا۔ اونٹ، گھوڑے، ناقے، عماریاں، محملیں لائی گئیں۔ سامان اونٹوں پر بار کیا جانے لگا، مشکیں ساتھ لی گئیں۔ جیسے جیسے سورج چڑھتا گیا لوگ جمع ہونا شروع ہوئے۔ امام حسین علیہ السلام ایک ایک سے گلے مل رہے ہیں۔

حضرت عباسؑ، حضرت علیؑ اکبر، حضرت قاسمؑ اور عونؑ و محمدؑ سب ہی انتظام میں لگے ہوئے ہیں۔ جب سب سامان تیار ہو گیا تو عورتوں کو سوار کرانے کی نوبت آئی۔ گلی میں پردے کا اہتمام ہوا۔ قناتیں لگادی گئیں۔ اونٹ باری باری آنا شروع ہوئے محمل کا پردہ اٹھایا جاتا اور ایک ایک بی بی کو سوار کیا جاتا۔ امام حسینؑ بی بی ام سلمہؓ سے رخصت ہوئے، بیٹی کے پاس گئے۔ بخار تیز تھا۔ ہوشیار کیا۔ کہا: بیٹا ہم جاتے ہیں۔

ممکن ہے حضرت عباسؑ پاس کھڑے ہوں اور صغراؑ نے کہا ہو چچا میں بھی جاؤں گی۔ بھیا علی اکبرؑ نے سمجھایا ہوگا کہ بی بی دھوپ ہے، جنگل میں لو چلتی ہے۔ تم بیمار ہو۔ تم گھر میں آرام سے رہو۔ میری بہن بڑی اچھی ہے۔ بی بی دیکھو بابا سفر کو جارہے ہیں خوشی خوشی وداع کرو۔

اور جناب صغرا نے کہا: اچھا خدا حافظ مگر مجھے بھیا بھولیے گا نہیں۔ ضرور آ کر

لے جایئے گا۔ لایئے علی اصغرؑ کو پیار کرلوں۔

میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ نے اس موقعہ کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب علی اصغرؑ نے بہن کو دیکھا تو دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ یقیناً اس رخصت کے موقع پر گھر میں کہرام بپا ہوا ہوگا ہر ایک کی آنکھ میں آنسو رہے ہوں گے۔

حضرت عباس علیہ السلام پردہ کے اہتمام میں سرگرم ہیں۔ ایک ایک کر کے تمام بیبیاں سوار ہوئیں۔ پھر مرد سوار ہوئے اور قافلہ روانہ ہوا۔ اہل مدینہ سے بہت سے لوگ اپنی اپنی سواریوں پر ہمراہ ہوئے جدھر سے یہ حسینیؑ قافلہ گزرتا لوگ رونے لگتے۔ ایک کہرام بپا تھا۔ امام حسینؑ نانا کی قبر سے رخصت ہوئے۔ حضرت عباسؑ قافلے کے آگے آگے چل رہے ہیں۔ امام حسینؑ ماں کی قبر پر گئے رخصت ہوئے جناب زینبؑ بھی قبر مادر سے رخصت ہوئیں۔

قافلہ چلتا جارہا ہے۔ لوگوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ قافلہ مدینے سے کافی دور ہو گیا۔ اب صرف خاص خاص عمارتیں نظر آتی ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے خود لوگوں کو رخصت کرنا شروع کیا۔ قافلہ ریگستان میں مکہ کی جانب رواں دواں چلا جارہا ہے۔ حکومت بھی مطلع ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا رخ مکہ کی جانب ہے آخر کار امام عالی مقام مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

مکہ سے روانگی:

مکہ میں تین ماہ قیام رہا جب موسم حج آیا تو معلوم ہوا کہ سینکڑوں آدمی اس امر پر مامور ہیں کہ اس حج پر خاموشی کے ساتھ حضرت کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ امام عالی مقام حج کو عمرہ سے بدل کر اس جگہ سے روانہ ہو گئے۔ حکومت وقت کی سازش ناکام رہی۔ اب حسینؑ کا رخ عراق کی جانب ہے پل پل کی خبر حاکم کو دی جاتی ہے۔ تیز رفتار سانڈنی سوار خبریں لے جاتے ہیں (دیکھو ناسخ التواریخ صفحہ ۲۱۰ جلد ۴)

مرکزی حکومت نے اپنے تمام عمال کو حکم دیا کہ حسینؑ ابن علیؑ نے مکہ کو چھوڑ دیا اب

عراق کی طرف رخ ہے۔ خبردار کوئی ان کی کسی قسم کی اعانت نہ کرے اور اعانت کرنے والا باغی سمجھا جائے گا۔ ناکہ بندیاں شروع ہوگئیں جگہ جگہ چوکیاں بٹھادی گئیں۔

گورنر عراق والی کوفہ بشیر بن نعمان کو وہاں کے حالات کے پیش نظر ہٹا دیا گیا۔ اس کی جگہ درندہ صفت ابن زیاد کو حاکم کوفہ مقرر کیا گیا۔ اس نے فوراً فوجی بھرتی شروع کردی۔ ایک جرار لشکر تیار کیا اس کی کمان حربن یزید ریاحی کو دی جو ایک مشہور سپہ سالار تھا اور کہا کہ حسینؑ کا راستہ روک کر ان سے یا تو بیعت لو یا گرفتار کرلو یا پھر قتل کردو۔ حر تلاش میں چلا ادھر امام حسین علیہ السلام اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔

منزل شراف:

ناگاہ امام حسین علیہ السلام کے قافلہ والوں نے تکبیر کی آواز بلند کی کیونکہ انہیں ایک نخلستان سا نظر آرہا تھا۔ جب غور سے دیکھا تو درخت کی ٹہنیاں نہ تھیں بلکہ اونٹوں کے کان اور نیزوں کی آنی نظر آرہی تھی اور قریب ہوئے تو دیکھا وہ ایک زبردست لشکر ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ ہر لشکر والے کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں، سوار بدحواس ہیں، پیدل پریشان ہیں۔ منہ سے آواز نہیں نکلتی۔ جانوروں کی زبانیں باہر نکلی ہوئی ہیں۔ مگر سب کے سب مسلح ہیں۔ یہ منزل شراف ہے۔

رحمت العالمینؐ کے فرزند دلبند نے، اس علی ابن ابی طالبؑ کے لخت جگر نے جس نے جام شیر آپنے قاتل کو پیش کیا تھا جب یہ منظر دیکھا تو فوراً اپنے بھائی عباسؑ کو آواز دی۔ جناب عباسؑ ابن علیؑ حاضر ہوئے۔

فرمایا: یہ لوگ پیاسے ہیں ان کو پانی پلاؤ۔ جب سیراب ہو چکیں گے تو بات کریں گے۔

قافلہ حسینیؑ کے اونٹ بٹھائے گئے پانی اتارا گیا۔ جانوروں کے سامنے تشت رکھ دیے گئے، مشکوں کے دہانے کھول دیے گئے......

ادھر حضرت زینبؑ کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ انہوں نے دیکھا یہ صحرا اور حد نگاہ تک

کہیں سایہ نہیں۔ یہ ہزاروں مسلح جوان، ان کے دل کو ہول ہوئی کہ یہ کون ہیں؟ ڈاکو نہیں ہوسکتے یہ تو تربیت یافتہ مسلح فوج معلوم ہوتی ہے۔

آخر علیؑ جیسے جرنیل کی بیٹی تھی معاملہ کی تہہ کو پہنچ گئی۔

فضہؑ کو آواز دی: ذرا بھیا کو بلانا۔

یہ بوڑھی سفید بالوں والی کنیز امام کے سامنے حاضر ہوئی ۔امام نے ادب سے توجہ فرمائی اور ساتھ ہولیے۔

بہن نے پوچھا: بھیا آخر یہ کون ہیں۔

آپ نے آہ سرد بھر کہا: بہن یہ ہمارا راستہ روکنے پر مامور ہیں اور پیاسے ہیں فی الحال پانی پلا رہا ہوں۔ اتنے میں ساقی کوثر کے لال کی نظر ایک سوار پر پڑی کہ مشک کا دہانہ کھول کر پانی پینا چاہتا ہے مگر شدت عطش سے حواس میں نہیں ہے اور پانی پیتے نہیں بن رہا ہے۔ امام حسینؑ آگے بڑھے اور اپنے ہاتھ سے خود اس کو پانی پلانے لگے۔

ادھر حضرت عباس علیہ السلام ایک ایک لشکری سے پوچھتے پھر رہے ہیں بھائی پانی پی لیا؟ اور تو نہیں چاہیے؟ کبھی پانی پلانے والوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ دیکھو جب تک جانور خود منہ نہ ہٹالے خبردار اس کے سامنے سے تشت نہ اٹھانا۔ سقائے سکینہ حسینیؑ فوج کا علمبردار کبھی ادھر جاتا ہے کبھی ادھر۔ یہاں تک کہ سب خوب سیراب ہوچکے۔

ان کے سردار حر نے آخر امام عالی مقام کا شکریہ ادا کیا اور پھر نظریں نیچی کر کے ندامت کے ساتھ عرض کیا کہ میں اس پر مامور کیا گیا ہوں کہ آپ کو کوفہ نہ جانے دوں۔

کربلا:

گفتگو ناکام رہی اور قافلہ بڑھنے لگا۔ اس بے آب و گیاہ لق ودق صحرا میں ایک روز ٹھنڈی ہوا جسموں کو لگنے لگی۔ امام حسینؑ نے فرمایا: بھائی عباسؑ ذرا دیکھنا قریب کوئی دریا تو نہیں؟ اور پھر معلوم ہوا کہ قافلہ لب فرات پہنچ چکا ہے۔ دریا کے قریب خیمے نصب کیے جانے لگے۔ ناگاہ حر کے لشکر نے آکر مزاحمت کی اور کہا کہ آپ لوگ

خیمے ساحل سے دور نصب کریں۔
حضرت عباسؑ نے سنا، جوش آ گیا، تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے آگے بڑھے۔
فرمایا: بہت عرصے سے برداشت کرتا چلا آ رہا ہوں۔ اے احسان فراموش قوم تمہاری یہ مجال ہے کہ ہمارے خیمے یہاں سے اٹھا سکو! اب تو عباسؑ نے نہر پر قبضہ کرلیا ہے۔ لہجہ میں تیزی تھی۔ قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں
جناب زینبؑ نے بھائی کی آواز سنی سمجھ گئیں کہ معاملہ بگڑ رہا ہے۔ فوراً فضہؑ کو آواز دی اور بھیجا کہ بھیا حسینؑ کو بلاؤ یہ جنگل میں کیا ہونے لگا ہے۔
امام تشریف لائے اور بھائی کو سمجھایا: ادھر دیکھو عباسؑ۔ بات سنو میرا کہنا مانو ہم اپنے خیمے اٹھائے لیتے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کریں گے کہ بندگان خدا کا خون نہ بہے۔ یہی نانا کا، بھائی کا اور بابا علیؑ کا اصول رہا ہے۔ گھبراؤ نہیں عباسؑ جلد ہی تلوار کا موقعہ آنے والا ہے۔ یہ کیا ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔
وہ ہاتھ جو خیمے نصب کر رہے تھے اب خیمے اکھاڑنے لگے اور پھر ساحل سے دور ایک بلندی پر خیام نصب کیے گئے۔ عورتیں اتاری گئیں۔ بچوں کو چلنے پھرنے کا موقعہ ملا۔ کھیلنے لگے اور حضرت عباس علیہ السلام نے خیام کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ رات اور دن خانوادہ آل محمدؐ کی دیکھ بھال کرنے لگے۔ لشکر حر نے حالات سے حکام کو باخبر کیا۔ چاروں طرف سے فوجیں آ کر جمع ہونا شروع ہوگئیں۔ اور ایک صبح لشکر شام نے ایک بارگی باگیں اٹھا دیں۔ ہزاروں سوار نیزے تانے گھوڑے دوڑاتے ہوئے خیام حسینیؑ کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے۔ شاید انہیں یہ خیال ہوا کہ امام کی ہمراہی میں آدمی ہی کتنے ہیں ہم ایک دم روندتے ہوئے گزر جائیں گے۔
حضرت عباسؑ علمدار نے جو دیکھا فوراً تلوار سونت کر جھپٹ پڑے آگے بڑھتے ہوئے لشکر کو اشارہ کر کے بولے خبردار جو اس خط سے آگے بڑھے۔ بنی ہاشمؑ کی تلوار کی دھاک پہلے ہی دلوں پر بیٹھی تھی پھر ان کے حسن سلوک نے بھی گرویدہ کرلیا تھا۔

باگیں کھنچ گئیں اور بڑھتا ہوا لشکر لوٹ گیا۔

رات کا سناٹا ہے۔ چاند بھی چھپ چکا ہے۔ دریائے فرات لہریں مار رہا ہے۔ ریگستان میں ٹیلے پر ایک طرف کچھ خیمے نصب ہیں۔ وہاں سے گاہے گاہے بچوں کے رونے اور ان کے بہلائے جانے کی آوازیں آجاتی ہیں۔ کبھی کبھی کچھ ایسی آواز بھی آتی ہے جیسے سب بچے مل کر آواز العطش بلند کر رہے ہوں کچھ فاصلہ پر ایک بڑا لشکر پڑاؤ ڈالے ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ پوری چھاؤنی آباد ہے۔ وہاں سقے مشکوں میں پانی لیے کہیں جانوروں کو پلا رہے ہیں کہیں چھڑکاؤ کر رہے ہیں۔ ساحل پر فوج علیحدہ پڑی ہے۔ اور ہر آہٹ پر للکار سنائی دیتی ہے کون ہے؟ دوست یا دشمن اور کبھی کبھی کسی تیر کے سنسنانے کی آواز بھی سنائی دے جاتی ہے۔ ٹیلے کے قریب دو جوان گھوڑوں پر آہستہ آہستہ چل رہے ہیں ایک نے گھوڑے کو دوسرے کے قریب لاتے ہوئے کہا:

عباسؑ جانتے ہو، مولا علیؑ نے تمہاری والدہ سے اسی وقت کے لیے عقد کیا تھا۔

عباسؑ نے انگڑائی لی کہ رکاب کے تسمے ٹوٹ گئے۔

بولے: اسد اللہ کے فرزند کو جوش دلاتے ہو۔

روز عاشورہ:

پھر عاشورہ نمودار ہوئی حضرت علی اکبرؑ نے اذان دی، نماز ہوئی اور لشکر اسلام ترتیب دیا جانے لگا۔ علم لشکر عباسؑ ابن علیؑ کے سپرد ہوا۔ بہن نے بھائی کی بلائیں لیں۔ بھاوج کو مبارکباد دی۔

حق کی فتح:

ابھی صفیں پوری طرح سے آراستہ بھی نہ ہوئیں تھیں کہ حق کی فتح ہوئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ شام کے لشکر سے ایک سوار گھوڑا اڑاتا چلا آ رہا ہے۔ قریب آیا۔ گھوڑے

سے اترا۔ ہاتھوں کو رومال سے باندھا خدمت اقدس امام حسینؑ علیہ السلام میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: مولیٰ کیا میرا قصور اب بھی معاف ہو سکتا ہے۔

یہ تھے حضرت حرؑ، وہی حرؑ جنہیں امام علیہ السلام کی راہ روکنے پر مامور کیا گیا تھا۔ حرؑ جو ایک مرتبہ امام عالی مقام کی بارگاہ میں گستاخی کر چکے تھے۔ وہی حرؑ جنہیں منزل شراف پر پانی پلا کر امام حسینؑ نے اپنے ذخیرہ آب میں نمایاں کمی کر لی تھی۔

وہی حرؑ جو خیموں کے نصب کرتے وقت مزاحم ہوئے تھے۔

وہی حرؑ جو ایک بڑے لشکر کے سردار تھے۔ وہ آج لشکر کی سرداری، سرد پانی، عمدہ غذا، امارت، دولت، ثروت، اثر و رسوخ غرض دنیا کے ہر عیش پر ٹھوکر مار کر ادھر آ گیا تھا۔ جدھر نہ دولت تھی نہ جاہ و حشم۔ جدھر حق اور صرف حق تھا۔

الغرض جنگ شروع ہوئی ایک ایک کر کے غازی جانے لگے۔

حضرت عباسؑ علمدار آگے بڑھے عرض کیا: مولا غلام کو اجازت ہو۔

ارشاد ہوا۔ تم علمدار لشکر ہو تم لشکر کی زینت ہو۔ عورتوں اور بچوں کی ڈھارس ہو تمہارے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہے کہ ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ تم اپنے مقام پر رہو۔

جناب قاسمؑ:

جناب قاسمؑ ابن حسن ۱۳۔۱۴ برس کا سن، کرتا پہنے، تلوار حمائل کئے میدان میں گئے۔ شام کے مشہور پہلوان ارزق شامی کے بیٹوں کو مارا پھر اس کو بھی واصل جہنم کیا۔ چاروں طرف سے گھیر لیے گئے۔ بنی ہاشمؑ کا یہ کم سن سپاہی چاروں طرف سے گھر کر لڑتا رہا۔ تلوار پر تلوار پڑتی رہی لوہے کے ٹکراؤ سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

دھوپ تیز تھی پسینہ میں تر بہ تر تھے۔ پیاس کی شدت تھی۔ گھوڑا بھی ہانپ رہا تھا۔ کوئی نیزہ کا وار کرتا یہ خالی دیتے۔ کوئی تلوار چلاتا، کسی کو ڈھال پر روکا، کسی پر حملہ کیا اور اس عالم میں کتنوں کو واصل جہنم کیا۔ خود بھی زخمی ہوتے گئے اور خون بھی زیادہ بہہ گیا۔ گھوڑے پر سنبھلا نہ گیا۔ دشمنوں نے جو یہ عالم دیکھا حوصلے بڑھ گئے قریب آ کر

وار کرنے لگے اور حسنؑ کا یہ چاند شام کی فوج کے بادلوں میں گھر گیا۔
کمسنی کا یہ عالم کہ آواز دی "یاعما ادرکنی" اے چچا مدد کیجئے۔
حسینؑ نے یہ آواز سنی بے قرار ہو گئے، عباسؑ کو ساتھ لیا دونوں بھائی اپنے بھتیجے کی مدد کو پہنچے۔ درمیان میں فوج حائل ہوگئی ایک طرف سے عباسؑ نے بڑھ کر حملہ کیا دوسری طرف سے امام عالی مقام نے، فوج پیچھے ہٹ گئی قاسم گر چکے تھے۔ اب جو فوجیں ادھر سے ادھر ہوئیں حسنؑ کے اس لال کو زندگی ہی میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کردیا۔ جب تک ہوش رہا آواز دیتے رہے۔ بلآخر حسینؑ اور عباسؑ نے بھتیجے کے جسم کے ٹکڑے پائے۔

رخصت آخر:

وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ حسینؑ تنہا رہ گئے۔ عباسؑ سے نہ رہا گیا قدموں پر سر رکھ کر کہا: مولا اب تو اجازت مرحمت فرمائیے۔
ارشاد ہوا: عباسؑ تم علمدار لشکر ہو، زینت لشکر ہو۔
عرض کیا: آقا اب تو لشکر ہی نہ رہا جس کی زینت ہوتا۔
اتنے میں بھتیجی سکینہؑ بنت الحسینؑ پر نظر پڑی گود میں اٹھا لیا کہا:
بی بی تم کو بہت پیاس ہے نا بیٹی میری سفارش بابا سے کردو۔
حسینؑ نے کہا: اچھا اب اندر جا کر بہنوں سے رخصت تو ہو آؤ۔
اندر تشریف لے گئے۔ خیمہ کے اندر ایک کہرام مچ گیا۔ بی بی زینبؑ نے کہا:
ایک روز بابا میرے بازوؤں کو بار بار بوسہ دے رہے تھے میں نے سبب پوچھا تو فرمایا: بیٹی تیرے بازوؤں میں رسی باندھی جائے گی۔ میں سوچا کرتی جس کا عباسؑ جیسا بھائی شیر دلاور موجود ہو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی کون دیکھ سکتا ہے، کجا بازوؤں میں رسی بندھے۔ مگر بھیا اب معلوم ہوگیا کہ وہ دن آ گیا۔ جاؤ عباسؑ خدا کے سپرد کیا۔ غرض سکینہؑ سے مشک لے کر چلے۔ کاندھے پر علم، ہاتھ میں نیزہ، کمر میں

تلوار۔

تین دن کا بھوکا پیاسا سپاہی اعزا، احباب، بھائیوں، بھتیجوں کا داغ اٹھائے ہوئے۔عباسؑ چلے۔مشک دیکھ کرلوگ سمجھ گئے کہ دریا کا ارادہ ہے اور یہ گھوڑا اڑائے ہوئے ساحل کی طرف بڑھتے چلے۔لشکر یزید ملعون بیچ میں حائل ہوا۔گھمسان کا رن پڑا،مورچہ ٹوٹ گیا،ہمتیں پست ہوگئیں۔نہر پر عباسؑ کا قبضہ ہوگیا۔

ممکن ہے بعض حضرات اس تاریخی حقیقت کو افسانہ طرازی یا خلاف عقل ہونے کا الزام دیں انکے وسوسہ شیطانی کے ازالے کے لیے اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہیبت بہت بڑی چیز ہے۔جن لوگوں کو ہندو مسلم فسادات سے سابقہ پڑ چکا ہے وہ جانتے ہیں کہ جہاں کسی نامی گرامی آدمی کی آمد کی خبر سنی اور بھگدڑ مچ گئی۔یہ انسانی فطرت ہے یہی حال وہاں پر بھی تھا۔

حضرت عباسؑ کی شہرتِ جواں مردی سارے عرب میں پھیل چکی تھی، ان کی جرأت کا لوہا مانا جاتا تھا: ان کی تلوار کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔پس اگر نہر پر اس تنہا سپاہی نے قبضہ کرلیا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔خصوصاً جبکہ مخالفین صرف پیسے اور جاہِ وحشم کے طالب تھے، یہاں دنیا سے دل سیر تھا، رضائے الٰہی پیش نظر تھی جبکہ یزیدیوں کے صرف دنیا نظر میں تھی کہ اگر جان ہی نہ ہوئی تو جاہ وحشم کا کیا ہوگا ان حالات میں عموماً دنیا کے بندے دنیا کی خاطر میدان چھوڑ کر بھاگ جایا کرتے ہیں۔

شہادت:

دشمنوں کو جہنم واصل کرتے ہوئے شیر خدا کے شیر نے نہر فرات میں گھوڑا ڈال دیا، اس کی باگ ڈھیلی کردی کہ پانی پی لے۔خود بھی سخت پیاسے تھے چلو میں پانی لیا اور فوج یزید کی طرف اچھال دیا کہ دیکھو ہم تمہارے پہرے کے باوجود اپنی قوت سے فرات تم سے چھین سکتے ہیں۔مشک بھری اور نکلنے لگے۔بھاگا ہوا لشکر پھر جمع ہوگیا۔ایک تو تھکے ہوئے دوسرے پیاسے اور چڑھائی کی طرف آنا یوں ہی مشکل ہوا کرتا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام ترائی سے نکلے۔ کوشش تھی کہ کسی طرح بچوں تک پانی پہنچ جائے مگر افسوس کہ ایک شخص نے کمین گاہ سے داہنے ہاتھ پر وار کیا وہ ہاتھ کٹ کر گرا۔ ادھر بچے جمع ہو کر دیکھ رہے تھے انہوں نے دیکھا علم سرنگوں ہوا۔ ننھے بچوں نے دعا مانگی کہ اللہ میاں ہمارے چچا کی خیر ہو۔ عباسؑ نے گرتے ہوئے علم کو دوسرے ہاتھ سے سنبھال لیا۔ بچوں نے علم کو بلند ہوتے دیکھا خوش ہو گئے۔

لیکن عباسؑ کیا کریں؟ ایک ہاتھ سے علم کو سنبھالیں، جنگ کریں، مشک کو سنبھالیں، گھوڑے کی باگ تھامیں۔ غرض ایک ہاتھ سے کیا کیا کریں جبکہ ایک ہاتھ کٹ چکا تھا دشمنوں کے حوصلہ بڑھ گئے۔ دور سے قریب آ گئے بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے لگے۔ ناگاہ عباسؑ کا دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اب مشک کو دانتوں سے تھام لیا تلوار، تیر اور نیزوں کی بارش ہو رہی تھی۔ ایک تیر نے مشک کو چھید دیا۔ پانی بہہ گیا۔

عباسؑ کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اب جا کر کیا کروں گا۔ گھوڑے کا رخ فوج یزید کی طرف پھیر دیا۔ ایک آہنی گرز پڑا سنبھلا نہ گیا۔ ذرا خیال فرمایئے زمین پر کس طرح آئے ہوں گے۔ ہاتھ موجود نہ تھے کہ ٹیک دیتے۔

آواز دی کہ آقا حسینؑ میرا آخری سلام قبول ہو۔

حسینؑ نے جب یہ آواز سنی کمر کو ہاتھوں سے پکڑے ہوئے میدان میں تشریف لائے۔ تھوڑی سی جنگ کے بعد سرہانے پہنچ گئے دیکھا کہ برابر کا بھائی زمین پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے فرط محبت سے گھوڑے سے اپنے آپ کو گرا دیا۔ سر کو گود میں رکھا۔

عباسؑ نے خواہش ظاہر کی: زیارت کرنا چاہتا ہوں ایک آنکھ میں تیر پیوست ہے دوسری میں خون بھرا ہے۔

امام نے خون صاف کیا۔

عباسؑ نے وصیت کی: کہ آقا میری لاش خیمے میں نہ لے جایئے گا۔ مجھے سکینہؑ سے شرم آتی ہے۔

(سرعۃ المصائب صفحہ ۱۸)

کچھ وقت اور گزرا دفعتاً نقارے بجنے لگے..... میدان جنگ میں ایک شور برپا ہوا ہر سپاہی خوشی کے نعرے لگا رہا تھا۔ کوئی نیزہ چمکا رہا تھا کسی نے تلوار صاف کر کے نیام میں رکھی۔ ہر طرف گرد و غبار تھا آواز گونج رہی تھی۔ "قدقتل الحسینؑ بکربلا" حسین علیہ السلام شہید ہو گئے۔

آفتاب کو گہن لگا۔ سیاہ آندھی چلنے لگی۔ عمر سعدؒ نے جاہلیت کی روایت کے مطابق نعشوں کو پامال کرنے کا حکم دیا۔ گھوڑوں کا انتخاب ہوا ان کی نعل بندی ہونے لگی۔ یہ خبر ہر ایک نے سنی۔ حرؑ کے لشکر میں چہ میگوئیاں ہوئیں، چند سر برآوردہ سوار تلواریں تولے ہوئے سامنے آئے۔

بگڑ کر بولے: ہم اپنے سردار کی یہ توہین نہیں برداشت کریں گے۔ خبردار جو حرؑ کے لاشے کی طرف نگاہ کی۔

عمر سعد نے کہا: اچھا حرؑ کی لاش الگ کر لو۔

پھر تو ہر ایک کی جرأت بڑھ گئی۔ لوگ آتے گئے اور اپنے رفقاء، اعزا، احباب، ہم وطن، ہم قبیلہ لوگوں کی نعشیں اٹھانے کا مطالبہ کرتے اور اجازت ملنے پر نعش الگ کر لیتے۔ یہاں تک کہ شمر ملعون جس نے امام حسینؑ علیہ السلام کا سر جسم مبارک سے الگ کیا تھا آگے بڑھا اور خشونت سے عمر سعد ملعون کو مخاطب کر کے بولا:

تجھے نہیں معلوم کہ عباسؑ میرا بھانجہ ہے پھر تو نے اس کا پاس نہ کیا اور کیوں کر نعشوں کی پائمالی کا حکم دیا۔ اگر میرے ہوتے ہوئے عباسؑ کی لاش پائمال ہوئی تو میں دنیا میں منہ دکھانے کے لائق نہ رہوں گا یہ ذلت گوارا نہیں کر سکتا۔ اے حاکم تو میری رکابوں کو سونے سے بھر دے میں نے وہ کام کیا جو کسی سے نہ ہو سکا۔ لیکن خبردار جو عباسؑ کی بے حرمتی ہوئی۔ عمر سعد ملعون نے حکم دیا کہ اچھا عباسؑ کی لاش کو بھی الگ کر دو۔

مگر ہائے افسوس کوئی نہ تھا کہ کہتا کہ حسینؑ ہمارے نبیؐ کا نواسہ ہے، حسینؑ اس کا

نواسہ ہے جس کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں، ان کی لاش کو پائمال نہ کرو اور اس کو بھی بچالے۔

اسلام والو واہ واہ کلمہ رسولؐ اللہ کا
پڑھ پڑھ کر کاٹا ہے گلا ابن رسولؐ اللہ کا

یہ تھا ذکر ان عباسؑ جری کا جن کا مرتبہ ان لوگوں سے پوچھو جو ان کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ جہاں آئے دن معجزات ہوتے رہتے ہیں
(جن کو اس کتاب میں بھی پیش کیا جارہا ہے)

حضرت عباس علیہ السلام کے بارے میں ایک قول یہ ملتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام عادل، متقی، ثقہ اور پاک طینت جواں مرد تھے۔ آپ ائمہ طاہرین کی فقیہ اولاد میں ایک زبردست فقیہ تھے (تنقیح المقال صفحہ ۱۲۸) اور یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ خاتونؑ جنت بی بی فاطمہؑ زہرا نے ان کو اپنا فرزند کہا ہے (اسرارالشہادۃ صفحہ ۳۴۰) سلام ہو علیؑ کے دلبند عباسؑ پر۔

حضرت عباس علیہ السلام نے کربلا کے میدان میں دکھا دیا کہ حق کا ساتھ یوں دیتے ہیں۔ یہی شمر تھا جس نے آپ کو خریدنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ افسری، دولت، شوکت، جاہ وحشم دوسری طرف فاقہ، پیاس، زخم اور پھر دنیا سے رخصتی لیکن حق کے مقابلے میں آپ نے ان سب کو ٹھکرا دیا۔ پیاسا رہنا گوارا کیا اپنی زوجہ کی دربدری پسند کی لیکن حق کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ہمارے لیے ایک کامل نمونہ ہیں عباسؑ۔ آج بھی ان کی پیروی دنیا کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

مادّہ تاریخ شہادت حضرت عباس علیہ السلام

مولانا روم نے حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کی تاریخ لفظ ''دین'' سے ''دال'' کو نکال کر مرتب کی ہے۔

وہ کہتے ہیں: ''سردیں رابریدبے دینے''

مظفر حسین اسیرؔ (مرحوم) شاعر دربار واجد علیشاہ تاجدار اودھ نے ''سید بے ید'' سے تاریخ نکالی ہے۔

یاسؔ آرزدی بہاری نے لفظ حسینؑ سے ''ح'' کو علیحدہ کر کے حروف منقوط سے الگ اور حروف غیر منقوطہ سے الگ تاریخ نکالی ہے۔

اگرچہ ان میں ایک عدد کم ہے لیکن بلاغت کے لحاظ سے قابل قدر ہیں۔

حضرت عباسؑ کی کربلا میں قربانیاں

ویسے تو کربلا میں ہر مجاہد نے اپنی اپنی قربانی پیش کی اور بعض نے اپنے خاندان کے تمام افراد کو قربان کر دیا۔ لیکن اجتماعی قربانی پیش کرنے والوں میں جناب عباسؑ کا نام سرفہرست آتا ہے۔

آپ کے حقیقی بھائیوں میں جناب عبداللہؑ، عمر ۲۵ سال۔ جناب جعفرؑ، عمر ۳۰ سال اور جناب عثمانؑ، عمر ۲۱ سال۔ ان تینوں بھائیوں نے اپنے بڑے بھائی کے حکم پر مسکراتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اور ان تمام کے آخر میں جناب عباسؑ نے اپنے اس حسین و جمیل اور نوجوان فرزند کو جو انتہائی عبادت گزار اور پابند تہجد تھا جس کی پیشانی پر سجدوں کے نشان تھے ہاتھوں سے کفن پہنا کر بھائی کی خدمت میں حاضر کیا اور ان پر سے تین بار قربان کر کے میدان جنگ میں شہید ہونے کے لیے بھیج دیا۔ ان صاحبزادے کا نام محمدؑ تھا اور ان سے ابوالفضل عباسؑ کو اس قدر شدید محبت تھی کہ ایک لمحہ کو بھی خود سے جدا نہ کرتے تھے۔

جناب عباسؑ کا اعلیٰ کردار

حقیقت یہ ہے کہ ایک مجاہد کے بلند کردار کا اندازہ صرف میدان جنگ میں ہوتا ہے۔ کربلا کی جنگ میں تقریباً ہر فرد کو یقین ہوگیا تھا کہ اس کی شہادت یقینی ہے اور اس یقینی موت کے بعد بھی اس کے پائے استقلال میں فرق نہ آئے یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے۔ یا بار بار اس مجاہد کو امان کے موقعہ دیے جائیں یا میدان جنگ سے چلے جانے کو کہا جائے اور وہ ان تمام مراعات کو ٹھکرا دے یہ بہت بڑے ظرف کی بات اور اعلیٰ کردار کا نمونہ ہے۔ تاریخ کے آئینہ میں جب ہم دیکھتے ہیں تو سرفہرست یہ واقعہ نظر آتا ہے۔

عبداللہ ابن ابی محل جناب ام البنینؑ کا بھتیجا تھا جس کا شمار رؤسائے کوفہ میں ہوتا تھا اس نے اولاد ام البنینؑ کے لیے ابن زیاد سے فرمان لکھوا کر اپنے غلام کرمان کے ہاتھوں کربلا میں جناب عباسؑ کو بھجوایا تھا جس کو دیکھ کر امام حسین علیہ السلام نے بھی جناب عباسؑ کو رخصت ہونے کی بخوشی اجازت دے دی تھی۔ لیکن جناب عباسؑ نے جو اس امان نامے کا جواب دیا ہے وہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

آپ نے فرمایا: ہمارے ماموں زاد بھائی سے ہمارا سلام کہہ دینا۔ اور یہ کہنا کہ ہم کو اس امان نامہ کی ضرورت نہیں۔ **امان اللہ خیر من امان ابن سمیہ۔**

یعنی ابن زیاد کی امان سے اللہ تعالیٰ کی امان کہیں زیادہ بہتر ہے۔ یہ ہے عظیم کردار کی بات۔

اسی طرح آپ کو شب عاشور بھی امامؑ عالی مقام نے ایک اور موقع دیا۔ یعنی جس وقت امام حسین علیہ السلام نے اپنے تمام رفقاء سے بیعت اٹھالی، چراغ گل کردیا اور عام اجازت دے دی کہ جس کا دل چاہے اس تاریکی میں چلا جائے، یہ لوگ صرف میری جان کے دشمن ہیں باقی کسی کے ساتھ کوئی تعرض نہ ہوگا تو اس وقت بھی جناب عباسؑ سب سے پہلے جواب دیتے ہیں:

خدا ہمیں وہ روز بد نہ دکھائے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں، اگر ہم کو ستر بار بھی

موت آجائے اور زندہ کیے جائیں تو ہمارا یہی جواب ہوگا، اور آپ کے تمام بھائیوں نے آپ کے اس جواب کی تائید کی۔ اسی طرح روز عاشورہ بھی آپ کو اس کا موقعہ اور امامؑ عالی مقام نے یہ فرما کر دیا:

اگر عباسؑ تم دشمن کے لشکر میں چلے گئے تو زینبؑ کے سر سے ردا اتارنے کی کسی میں جرات نہ ہوگی۔ لیکن جناب عباسؑ نے اس وقت بھی عجیب جواب دیا:

آقا آج ہی کے دن کے لیے تو والدہ ماجدہؑ نے میری پرورش کی تھی اور شیرؑ خدا نے بھی یہ وعدہ لیا تھا کہ اپنے بھائی حسینؑ کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ تو یہ ہے جناب عباسؑ کا وہ بلند کردار جس کے باعث ان کی اپنے بھائی سے وفاداری ایک ضرب المثل بن کر رہ گئی ہے۔

قمر بنی ہاشم کا خاندان

انسان کو بہت کچھ اپنے اسلاف اور اپنے ماحول سے ملتا ہے قمر بنی ہاشم حضرت عباسؑ کا خاندان اعلیٰ صفات سے مرصع تھا اور ان کا خاندان و ماحول شخصیت ساز تھا۔ حضرت عباسؑ نے اپنے خاندان اور اپنے ماحول سے بہترین صفات وراثت میں پائیں۔ آپ کا پدری نسب نامہ یہ ہے۔

عباسؑ بن امیر المومنین علی ابن طالب علیہ السلام بن عبدالمطلبؑ بن ہاشمؑ بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن موسیٰ بن غالب بن فہر بن مالک بن نصر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ شیعہ نقطہ نظر سے سلسلہ نسب کے تمام افراد موحد تھے۔ علماء قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں **و تقلبک فی الساجدین** (سورہ شعراء آیت ۲۱۹)

یعنی حضرت آدم سے حضرت عبداللہ تک جن جن صلبوں میں نور رسالت منتقل ہوتا رہا ہے وہ سب خدا پرست تھے اور اپنے وقت کے نیک انسان تھے۔ رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کی کتب سیرت میں ان کے اسلاف کے عقائد اور سماجی و اخلاقی خدمات

کا ذکر آتا ہے۔ حضرت قمر بنی ہاشم کے جدامجد حضرت ابو طالبؑ صرف یہی نہیں کہ حضرت رسولؐ خدا کے مربی اور چچا اور امیرالمومنین کے والد ماجد تھے بلکہ اپنے ذاتی اوصاف کے لحاظ سے بھی عرب کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

وہ مکہ کے سردار تھے۔ عقیدہ توحید انہیں حضرت ابراہیمؑ سے وراثت میں ملا تھا۔ حالانکہ اہالیان مکہ حضرت ابراہیمؑ کے جادے سے دور جا پڑے تھے اور شرک کی دلدل میں پھنس گئے تھے لیکن حضرت ابو طالبؑ نے اس کثیف و تاریک ماحول میں بھی اپنے سینہ میں توحید و عرفان کی شمع روشن رکھی اور اپنے عہد میں اسرار الٰہیات کے نکتہ داں تھے۔ شعر و سخن، خطابت و حکمت میں کوئی اس زمانے میں ان کا مثل نہ تھا۔

حضرت عبدالمطلبؑ کو ان کی فہم و فراست، علم و ادب اور عقیدہ و نظر پر بڑا اعتماد تھا اس لیے انہوں نے اپنی وفات کے بعد امانت الٰہی یعنی سردار الانبیاء کی کفالت ان کے ذمہ کی۔ انہوں نے انتہائی خلوص و عقیدت سے سرور انبیاء کے عہد طفولیت میں اپنے فرائض انجام دیے۔

جب اللہ نے حضرت محمدؐ کے سرمبارک پر ختم نبوت کا تاج رکھا تو حضرت ابوطالبؑ نے ایک جانثار و ماہر فوجی افسر کی طرح رسول خداؐ کی حفاظت کی اور اپنے سیاسی و معاشرتی اثر سے سردار انبیاء کو مخالفوں کے ہر طرح کے گزند سے بچاتے رہے۔ وہ عرب کے شاعر اعظم تھے جنہوں نے اپنی ساری شاعری رسول کی سیرت نگاری اور اسلام کے اعلیٰ مقاصد اور مخالفین کے حملوں سے دفاع کے لیے وقف کردی۔

ان کا دیوان بتاتا ہے کہ عرفان کے دریا کے وہ کتنے بڑے غواص تھے اور ان کے پہلو میں کتنا بڑا دل تھا۔ عزم راسخ، ہمت بلند، صبر و رافت میں ان کی حیثیت ایک کوہ گراں کی تھی۔ قریش کی مخالفت کے طوفان انہیں جناب رسولؐ خدا کی خدمت سے ذرا سا بھی پیچھے نہ ہٹا سکے۔ خدا پر یقین کامل اور رسولؐ خدا کا عشق صادق اور اشاعت

دین میں قربانی وایثار کا جذبہ حضرت ابو طالبؑ نے اپنے بعد اپنی نسل اور ہر حق پرست کے لیے وراثت میں چھوڑا۔ حضرت قمر بنی ہاشمؑ کو اپنے دادا سے اعلیٰ ملکات کی یہ وراثت پوری طرح ملی۔

حضرت عباسؑ کی دادی حضرت فاطمہ بنت اسدؑ بھی اپنی اعلیٰ صفات کی وجہ سے تاریخ اسلامی میں بڑے احترام سے یاد کی جاتی ہیں۔حقیقی ماں کی طرح انہوں نے سرور انبیاء کی پرورش کی۔ اسلام کے عہد اول میں جن لوگوں نے ایمان لانے میں سبقت کی ان میں حضرت فاطمہ بنت اسدؑ کا نام سرفہرست ہے۔ رسولؐ خدا اپنی چچی کو ماں کا درجہ دیتے تھے۔

حضرت عباسؑ نے جیسا نامور باپ پایا اس کے مقام کے تعین میں چودہ سو سال سے علماء حدیث وتفسیر وکلام وفقہ وادب وحکمت کوشاں ہیں اور ان کا سفر ابھی منزل کی تلاش میں ہے۔عہد رسولؐ میں ان کے معصوم بچپنے اور عہد جوانی کے آثار اس طرح درخشاں تھے جیسے شب میں آسمان پر ستارے چمکتے ہیں۔ ان کی خدمات لافانی،ان کا علم وفضل بے مثال اور ان کی قربانیاں جاودانی ہیں۔ صاحب وحی کی تعبیر ہی حضرت علیؑ کے کمالات و خدمات لافانی کی مصوری کرسکتی ہے۔معجز بیان پیغمبر کا ارشاد ہے: جنگ خندق میں عمر بن عبدود پر حضرت علیؑ کی ایک ضربت جن وانس کی عبادت کے برابر ہے۔ جنگ خیبر کے متعلق حضرت نے فرمایا تھا:

میں کل اس شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور رسولؐ کا محبوب ہوگا وہ بغیر فتح کے میدان نہ چھوڑے گا (تاریخ طبری ۳/ ۹۲) رسالت مآب کے دین کی خدمت اور تشریح میں حضرت علیؑ نے اتنا کام کیا ہے کہ اگر رسولؐ خدا کے لیے آدم اول کی تعبیر صحیح ہو تو حضرت علیؑ کو آدم ثانی کہنا بجا ہوگا اور رسولؐ خدا کے لیے معلم اول کا لقب اختیار کیا جائے تو حضرت علیؑ کے لیے معلم ثانی کے سوا کوئی موزوں لقب نہ ہوگا۔

حضرت عباسؑ کو اپنے بے نظیر باپ سے بہت سے صفات وراثت میں ملیں ان

صفات میں نمایاں تر صفات قائد کے ساتھ حیرت ناک فدا کاری اور بے مثال اطاعت و جاں سپاری تھیں کہ حضرت علیؑ جس طرح رسول خدا پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ حضرت عباسؑ اسی طرح امام حسینؑ کی قیادت میں اپنی زندگی کو قربان کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت عباسؑ نے ماں بھی بڑی خوش صفات پائی۔ فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن وصیہ بن کعب بن عامر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن۔ کتنا پیارا نام ہے فاطمہؑ۔ اگرچہ معصومۂ عالم حضرت فاطمہ زہراؑ بنت رسولؐ خدا کی جگہ پر نہیں ہوسکتی تھیں لیکن فاطمہ بنت حزام کو حضرت رب العزت کی مرضی تھی کہ انہیں معصومہ عالم کی سیرت کی اتباع کی توفیق دی اور ایک بڑے مثالی گھر میں وارد ہو کر وہ اجنبی نہیں رہیں بلکہ اس گھر کی سعادت مند رکن بن گئیں۔

حضرت عقیل سے امیرالمومنین نے جب اپنے عقد کے متعلق مشورہ چاہا تھا تو انہوں نے حضرت فاطمہ بنت حزام کا نام لیا اور کہا کہ عرب میں ان کے اسلاف سے زیادہ بہادر اور شہسوار کوئی دوسرا خاندان نہیں ہے۔ اس خاندان کے مشاہیر ابودرداء عامر بن ملک ملاعب الاسنہ اور عامر بن طفیل بن مالک اور عروۃ ادحال بن عقبہ بن جعفر اور طفیل فارس قرزل وغیرہ ہیں۔ عربی تاریخ جن کی بہادری اور فراست سے خوب واقف ہے۔ حضرت فاطمہ بنت حزام جن کی کنیت ام البنین تھی ازواج امیرالمومنین علیہ السلام میں سیدہ عالم کی معرفت اور فضل وخلوص و خدمات وشفقت و محبت و اطاعت میں نمایاں مقام رکھتی تھیں۔

انہیں ۲۶ھ میں حضرت عباس علیہ السلام کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہوا ان کے چاروں فرزند عباسؑ علمدار، عبداللہؑ، جعفرؑ، عثمانؑ کربلا میں کام آئے۔ حضرت ام البنینؑ کو اپنے بیٹوں کی شہادت پر فخر و ناز تھا۔ چنانچہ اپنے مشہور مرثیے میں ان کی بے مثال بہادری کا بڑے فخر سے ذکر کیا ہے۔

حضرت عباسؑ کو چچا بھی ایسے ملے جن کا نام عزت و وجاہت کی فہرست میں نمایاں جگہ پر ملتا ہے۔آپ کے ایک چچا کا نام طالب تھا۔آپ کے دادا کی کنیت انہی کے نام سے ابو طالبؑ تھی۔روضہ کافی کلینی میں امام جعفر صادقؑ کا ارشاد درج ہے:

کہ طالبؑ بدر سے پہلے ہی اسلام کی سعادت سے سرفراز ہو چکے تھے۔قریش ان کو اپنے ساتھ جنگ بدر میں جبراً لائے۔رسولؐ خدا قریش کی اس شرارت سے واقف تھے آپ نے اپنی فوج کے سرداروں سے کہہ دیا تھا کہ قریش بعض بنی ہاشمؑ اور بعض دوسرے قبائل کے لوگوں کو جبراً ساتھ لائے ہیں اگر کوئی انہیں پائے تو قتل نہ کرے۔

(طبری ۲/ ۲۸۲)

بدر میں ان کا لایا جانا تاریخ بتاتی ہے۔نہ تو وہ بدر کے مقتولین میں تھے اور نہ وطن زندہ واپس آئے۔یہ مشہور کیا گیا کہ ان کا گھوڑا انہیں دریا میں لے کر چلا گیا اور وہ غرق ہو گئے۔قیاس کیا جاتا ہے کہ قریش انہیں جب جبراً بدر میں لائے اور کسی طرح اپنا ہم خیال نہیں بنا سکے تو انہیں ہلاک کر دیا۔رسولؐ خدا کو جب معراج ہوئی اور آپ عرش تک پہنچے تو آپ نے وہاں چار نور دیکھے۔حضور فرماتے ہیں میں نے پوچھا پروردگار یہ کون نور ہیں۔ارشاد باری ہوا یہ عبدالمطلبؑ ہیں اور یہ ابو طالبؑ ہیں یہ تمہارے باپ عبداللہؑ ہیں اور تمہارے بھائی طالبؑ ہیں۔

(روضہ الواعظین فتال ص ۱۷)

اگرچہ ہم حضرت طالبؑ کے خاتمہ سے واقف نہیں ہیں اور ان کی زندگی کی تفصیلات کا ورق تاریخ سے گم ہو گیا ہے پھر بھی جو اشارے ملتے ان سے ان کے صبر و استقامت اور قبول حق کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرے چچا حضرت عباسؑ کے جناب عقیلؑ ہیں۔یہ بھی اسلامی دعوت تحریک کے آغاز ہی میں اس کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔اگرچہ عہد رسالت میں ان کی خدمات سے تاریخ خاموش ہے لیکن جناب رسولؐ خدا کے ایک فقرہ سے کسی قدر

یہ خلاء پر ہو جاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا تھا: عقیل میں تم سے دہری محبت کرتا ہوں تم سے مجھے ذاتی محبت ہے اور اس لیے بھی میں تم سے محبت کرتا ہوں کہ ابو طالبؑ تم سے محبت کرتے تھے۔

حضرت ابو طالبؑ بڑے بلند نظر انسان تھے اچھے صفات ہی کسی کی جگہ ان کے دل میں بنا سکتے تھے۔ پھر اس پر جناب رسولؐ خدا کی محبت کا اضافہ ان کے اعزاز و احترام کی ایک سند ہے۔

جناب رسولؐ خدا کی وفات کے بعد تاریخ نے جناب عقیلؓ کو بھلا دیا۔ اور اگر وہ کبھی یاد آئے تو افترا پردازی اور بہتان کے لیے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے بھائی تھے۔ دشمن قلم کو اگر اطمینان ہوتا کہ وہ حضرت علیؑ کے سایہ پر تہمتیں لگائے گا اور لوگ اسے قبول کرلیں گے تو وہ اسے بھی داغدار کرنے کی کوشش کرتا۔ عقیلؓ تو حضرت علیؑ کے بھائی تھے، ان کے مشن کے حامی تھے۔ دشمن کی طرف سے ان کے کردار پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرنا توقع کے خلاف نہیں ہے۔

پھر جناب عقیلؓ میں حضرت علیؑ کا سا صبر و ضبط نہ تھا وہ دشمن کا ترکی بہ ترکی جواب دیتے تھے۔ وہ کافی حاضر جواب تھے۔ عرب کی تاریخ سے واقف تھے۔ اگر کوئی ان کے سامنے منہ کھولتا تو وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے تھے اور اس کا اور اس کے خاندان کا پول کھول کے رکھ دیتے تھے۔ اس لیے دشمن بھی ان پر تہمتیں لگاتا۔ لیکن فن درایت و تنقید جھوٹ کے چہرے سے فریب کی نقاب کھینچ لیتا ہے اور جھوٹ اپنی اصلی صورت میں نظر آنے لگتا ہے مثلاً امیر المومنین کی زبانی یہ مشہور کیا گیا کہ میں بچپن ہی سے مظلوم رہا۔

عقیلؓ کی آنکھوں کو جب آشوب ہو جاتا اور ان کی آنکھ میں دوا ڈالی جاتی تو وہ کہتے کہ جب تک علیؑ کی آنکھ میں دوا نہ ڈالی جائے گی میں دوا نہ ڈلواؤں گا۔ مجبوراً

میں لیٹ جاتا اور میری آنکھ میں دوا ڈالی جاتی۔ حالانکہ مجھے آشوب چشم کی شکایت نہ ہوتی۔ ناقد کو اس جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے میں ذرا بھی فنی ملکہ سے کام لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ معمولی توجہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ جھوٹی روایت ہے۔

تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ جب حضرت علیؑ پیدا ہوئے تو اس وقت عقیلؑ کی عمر ۲۰ سال تھی۔ کون احمق یہ مانے گا کہ ۲۰ سال کا یہ جوان اپنی آنکھوں میں دوا ڈلوانے سے انکار کرے گا۔ جب تک اپنے چھوٹے بھائی کی آنکھ میں بے ضرورت دوا نہ ڈلوالے۔

اس طرح واقعات کی غلط تفسیر سے ان سے غلط نتیجہ نکال لیا جاتا ہے۔ حضرت عقیل نے جناب امیر المومنینؑ سے ان کی حکومت کے زمانے میں اپنی معاشی تنگی کی بار بار شکایت کی۔ بیت المال پر تمام مسلمانوں کا حق برابر تھا۔ ان کے علاوہ عوام میں دوسرے لوگ بھی تھے۔ بیت المال کے حصے سے ان کے مصارف پورے نہیں ہوتے تھے۔ امیر المومنینؑ کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا جس سے وہ ان کی معاشی مدد کرتے۔

ایک دن حضرت علیؑ نے اپنی مجبوری کے اظہار کے لیے ایک تمثیلی طریقہ اختیار کیا۔ لوہا آگ میں تپایا اور ان کے جسم کے قریب لے گئے۔ ان کے جسم نے لوہے کی آنچ محسوس کی۔ حضرت علیؑ نے اپنی ذمہ داری کو اس تمثیل کی مدد سے بیان کیا فرمایا: آپ سے دنیا کی آگ کی تپش برداشت نہیں کی جاسکتی: میں بیت المال کی تقسیم میں خصوصی رعایت کرکے جہنم میں خدائے ذوالجلال کی جلائی ہوئی آگ کی تاب کہاں لاسکتا ہوں۔

امیر المومنینؑ سادے الفاظ میں انہیں مایوس کرسکتے تھے کہ میرے پاس بیت المال میں آپ کے حصے کے علاوہ اور کوئی وسیلہ نہیں ہے کہ میں آپ کی خدمت کرسکوں۔ لیکن امیر المومنینؑ کو اپنے گھر سے مثال قائم کرنا تھی کہ پھر کسی دوسرے کی ہمت نہ ہو

کہ وہ اپنی معاشی ابتری سے مجبور ہو کر حکومت سے اصرار کرے کہ وہ اپنی عادلانہ تقسیم سے ہٹ جائے اور اس کے ساتھ کوئی خصوصی رعایت کرے۔

جناب عقیلؑ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ امیر المومنینؑ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کے ساتھ شریک ہوئے حالانکہ اس روایت کی کوئی معتبر سند نہیں ہے۔ ابن ابی الحدید کا گمان یہ ہے کہ وہ حضرت علیؑ کی زندگی میں معاویہ کے پاس نہیں گئے۔

سید علی خان نے ''درجات رفیعہ'' میں یقین کے ساتھ کہا ہے:

کہ وہ حضرت علیؑ کی زندگی میں ہرگز معاویہ کے پاس نہیں گئے۔ امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد جیسے دوسرے لوگ مختلف ضرورتوں سے شام جاتے تھے، جناب عقیلؑ بھی گئے۔ انہوں نے شام کے دربار میں اموی حکومت کو کبھی نہ سراہا۔ بلکہ جب موقع آتا اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے اور حضرت علیؑ کے حق کی حمایت کرتے۔ (عقد فرید ۳/۱۴۴)

حضرت عباسؑ نے اپنے چچا عقیلؑ کی حاضر جوابی و جرأت و دلیری کی وراثت پائی۔ حضرت عباسؑ کے ممتاز ترین چچاؤں میں حضرت جعفرؑ طیار ہیں۔ وہ رسولؐ خدا سے صورت و سیرت میں مشابہ تھے۔ ۷ھ میں عمرۃ القفار کے موقع پر ایک واقعہ کے سلسلے میں حضرت جعفرؑ کے متعلق سرور انبیاؐ کی زبان مبارک پر یہ فقرہ آیا تھا۔

''اشبهت خَلقي و خُلقي'' تم مجھ سے صورت و سیرت میں مشابہ ہو۔ (بخاری ۵۰)

بعثت رسولؐ کے فوراً بعد جو تاریخی نماز جماعت قائم ہوئی اس کے ارکان میں حضرت جعفرؑ بھی تھے۔ وہ اسلام کے سرفروش فدائی تھے۔ بعثت کے پانچویں سال جب مکہ میں کمزور مسلمانوں کو سانس لینا دشوار ہو گیا اور ترک وطن کے سوا عقیدہ کی حفاظت کی تمام راہیں ان پر بند ہو گئیں اور حبش ہجرت کرنے کی تجویز ان کے سامنے آئی تو حضرت جعفرؑ نے اس موقع پر اپنی یادگار ایثار سے تاریخ میں نمایاں جگہ بنالی۔ حالانکہ وہ خود اپنے قبیلے کی حفاظت میں تھے اپنے باپ کی رفاقت بھی انہیں عزیز تھی

لیکن بے سہارا مسلمانوں کو ہجرت سے پہلے پہل سابقہ پڑا تھا۔ انہیں انجام معلوم نہ تھا اس لیے ایک ایسے قائد کی انہیں ضرورت تھی جو مصائب اور دشواریوں کا خندہ پیشانی سے سامنا کرے اور اس کی فکر گرہ کشا ہو۔

حضرت جعفرؑ نے انتہائی ایثار سے کام لیا اور اپنے خاندان اور وطن کو چھوڑ کر مہاجرین کے ساتھ حبش چلے گئے۔ نجاشی شاہ حبش ان کی یادگار تقریر سن کر شدت سے متاثر ہوا۔ ان کی اس تقریر پر تاریخ اسلام کو فخر ہے۔ سیرت و تاریخ کی کتابیں اسے اپنا سرمایہ شرف قرار دے کر برابر نقل کرتی چلی آ رہی ہیں۔ کافی مدت تک حضرت جعفرؑ وطن عزیز سے باہر رہے اس عرصے میں عالم مسافرت میں انہیں اپنے پیارے باپ کی وفات کی خبر کا صدمہ بھی دل پر سہنا پڑا۔ جب خیبر فتح ہو گیا تو وہ حبش سے مدینہ تشریف لائے اور رسولؐ خدا کے دہن مبارک سے یہ معنی خیز فقرہ سنا گیا:

"میں طے نہیں کر پاتا کہ کس بات پر زیادہ خوش ہوں، جعفرؑ کی واپسی پر یا خیبر کی فتح پر"۔

پھر حضرت نے اعتراف منزلت کے طور پر انہیں نماز مخصوص کی تعلیم فرمائی جو نماز جعفر طیارؑ کے نام سے مشہور ہے (جمال الاسبوع) ان کی زندگی کا آخری واقعہ جس نے ان کی یاد کو لافانی بنا دیا جنگ موتہ میں ان کی شہادت ہے۔

جنگ موتہ میں جو فوج بھیجی گئی تھی اس کے افسر اعلیٰ حضرت جعفرؑ قرار دیئے گئے تھے اور یہ ترتیب قرار پائی تھی کہ اگر حضرت جعفرؑ شہید ہو جائیں تو فوج کی قیادت زید بن حارثہ سے متعلق کی جائے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے امیر مقرر ہو جائیں۔ (تاریخ یعقوبی، مناقب ابن شہر آشوب ج۔ ا ص ۱۴۲)

حضرت جعفرؑ نے بڑی آن بان سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ دشمن نے ان کے دونوں بازو کاٹ دیے۔ جب تک جسم میں جان باقی رہی انہوں نے اسلامی جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ اسلامی تاریخ میں اس سرفروشی اور شہادت کی دھوم مچی ہوئی ہے۔

اس شہادت سے حضرت جعفرؑ طیار کا مقام امیر المومنین کے سوا اپنے بھائیوں میں

بہت بلند ہوگیا۔ حالانکہ جناب عقیلؑ ان کی شہادت کے بعد عرصہ تک زندہ رہے لیکن حضرت جعفرؑ کے تقدس اور ان کی بزرگی تک وہ نہیں پہنچ سکے۔ حضرت جعفرؑ کی حیثیت اسلامی تاریخ کے ایک ہیرو کی ہے۔

البتہ حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ نے کوفہ میں اپنی یادگار شہادت سے اپنے باپ کا نام روشن کیا اور ان کے شرف میں اضافہ کیا حضرت عباسؑ کو حضرت جعفرؑ طیار کی وراثت میں وافر حصہ ملا۔ دونوں کی شہادتیں بہت ملتی جلتی ہیں۔ دونوں کی حیرت ناک جرات و وفاداری میں بہت زیادہ مماثلت ہے۔

جب حضرت عباسؑ کے اسلاف کا ذکر چھڑا ہوا ہے اور ان کے اعمال کی وراثت بیان ہورہی ہے تو حضرت عباسؑ کی پھوپی جناب ام ہانیؑ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہے جنہوں نے اسلام کے قبول کرنے میں سبقت کا شرف حاصل کیا تھا۔ بعثت کے تین سال بعد جب رسولؐ خدا کو معراج ہوئی تو آپؐ کا سعود ام ہانی ہی کے گھر سے ہوا۔ آپؐ نے پہلے معراج کا ذکر انہی سے کیا اور انہوں نے اس خبر کی تصدیق کی۔

حضرت عباسؑ کے بھائی بہن

(۱) حضرت عباسؑ کے ۱۷ بھائی اور ۱۸ بہنیں تھیں (طبری ۶/۸۸) بھائیوں میں امام حسنؑ و حسینؑ اور محسنؑ یہ تینوں خاتون جنت کے بطن سے تھے موخر الذکر حالِ حمل میں ہی فوت ہوگئے تھے۔ محمد حنفیہؒ کی ماں خولہ تھیں۔

حضرت ام البنینؑ سے چار فرزند تھے۔ حضرت عباسؑ و عبداللہؒ و جعفرؒ و عثمانؒ، عمر اطراف و عباس اصغر صہبا کے بطن سے تھے۔ محمد اصغر کی ماں امامہ بنت ابی العاص تھیں۔

یحییٰ اور عون کی ماں اسماء بنت عمیس تھیں۔

عبداللہ وابوبکر کی ماں لیلیٰ بنت مسعود تھیں۔

محمد اوسط کی ماں ام ولد تھیں (طبری ۶/۸۹) اس میں عبداللہ اصغر کا ذکر نہیں

ہے، محسن کا چھ مہینہ کا حمل گر گیا۔ باقی اور بھائیوں کے ساتھ معاشرت کا موقع حضرت عباسؑ کو ملا۔

حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کے مقام سے کم و بیش ہر مکتب خیال کے تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے واقف ہیں۔ امیر المومنینؑ کے بعد حضرت عباسؑ کی سیرت پر جن لوگوں کا اثر ہے ان میں سرفہرست امام حسنؑ و حسینؑ کے اسماء گرامی ہیں۔ یہ دونوں بھائی حضرتؑ کے شعور و احساسات پر چھائے ہوئے تھے اور ان کے لیے معیاری و مثالی انسان تھے۔

ان کی اطاعت و فرمانبرداری حضرت عباسؑ کی نظر میں بڑی سعادت و عزت تھی۔ بھائیوں کے چشم و ابرو پر ان کی نگاہ رہتی تھی۔ ان کا ذہن ان کے اشارات کو سمجھنے کے لیے تیار رہتا۔ وہ ان دونوں کو اپنے باپ کی جگہ پر سمجھتے۔ بھائی کے رشتے سے زیادہ وہ ان کی امامت و عصمت کا پاس رکھتے۔لفظی حیثیت سے اس کی کوئی اصل نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی بھائی نہیں کہا۔ وہ آخر وقت تک اپنے کو ان کا غلام کہتے رہے۔

ان کے سامنے فروتنی، خاکساری ان کی پیروی و اتباع اس سے کہیں زیادہ تھی جو ایک سلیم الطبع و سعید چھوٹا بھائی بڑے بھائیوں کی کرسکتا ہے۔ نہایت صاف طور پر محسوس ہوتا کہ ان کی نظر میں اخوت و امامت کے دو پلّوں میں امامت کا پلّہ وزنی ہے۔ یہ دونوں بھائی بھی ان سے اولاد سے کسی طرح کم محبت نہیں کرتے تھے۔ ان کی سعادت و خلوص و وفاداری کے گہرے نقش ان کے دلوں پر رقم تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے علاوہ دوسرے بھائیوں میں محمد حنفیہؓ خاص شہرت کے مالک تھے محمد حنفیہؓ کی ولادت ۱۷ھ میں ہوئی۔ (نہایہ ابن کثیر ۹ / ۸۳ یا ۲۳۱ میں ہوئی ابن خلکان)۔

اولاد امیر المومنینؑ میں امام حسنؑ و حسینؑ کے بعد محمد حنفیہ علم و عرفان میں نمایاں امتیاز رکھتے تھے تاریخ و ادب کی کتابوں میں ان کے علم و عرفان کے بیان نے کافی صفحات کا احاطہ کیا ہے۔ امیر المومنینؑ ان کی علمی استعداد اور دینی منزلت پر اعتماد رکھتے تھے۔

حضرت فرماتے تھے "محامدکو انکار ہے کہ اللہ کی نافرمانی کی جائے۔" محامدہ سے مراد محمد حنفیہؓ، محمد بن جعفرؓ طیار و محمد بن ابیؓ خدیفہ بن عتبہ بن ربیعہ تھے۔ (رجال کشی ۴۷)

علم وفضل و شجاعت و جرأت سے انہیں وافر حصہ ملا تھا۔ جنگ جمل میں حضرت علیؑ کی طرف سے دفاع میں ان کے بازو کی طاقت ثابت ہو چکی تھی۔ جنگ صفین میں ان کی تقریروں نے دشمن اور دوست سب سے ان کی خطابت کا اعتراف کرالیا تھا۔ کچھ تو اس لیے کہ ان کی صحت اس قابل نہ تھی کہ وہ جنگ میں حصہ لے سکتے اور کچھ اس لیے کہ امام حسینؑ کی طرف سے مدینہ میں وہ قیام پر مامور تھے کربلا میں شہادت کی سعادت نہ حاصل کرسکے

(اجوبہ مسائل منہائیہ علامہ حلی۔ مقتل محمد بن ابی طالب)۔

حضرت محمد حنفیہؓ کے سامنے سے تاریخ کے بڑے اہم دور گزرے۔ انہوں نے کافی عمر پائی۔ وہ ایک ذہین و صاحب معرفت بزرگ تھے۔ ان کی زندگی کا تذکرہ تاریخ میں کثرت سے ہے پھر بھی تقدس و احترام میں وہ حضرت عباس علمدارؑ کا درجہ نہ پاسکے۔

حضرت عباسؑ کے بھائیوں کی فہرست میں عمر اطراف کی تاریخ کافی ابہام اور تاریکی میں ہے کچھ لوگ عمر اطراف کو حضرت عباسؑ سے بڑا کہتے ہیں۔ داؤدی کا خیال ہے کہ یہ حضرت علی کی آخری اولاد ہیں (عمدۃ الطالب ص ۳۵۴)۔

واقعہ کربلا میں ان کی شرکت نہیں ہوسکی جن لوگوں نے ان کا شمار شہداؑ کربلا میں کیا ہے انہیں وہم ہوگیا ہے۔ دینوری سے یہ غلطی ہوگئی ہے کہ مصعب اور مختار کے درمیان جنگ میں ان کو مصعب کی فوج میں دکھایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مصعب کی فوج میں شریک تھے۔ فریق مخالف نے انہیں قتل کردیا۔ (اخبار طوال ۲۹۷)

یافعی نے ان کو مختار کی فوج میں دکھایا ہے بلکہ شہیدوں کی صف میں دکھایا ہے۔ (مراۃ الجنان یافعی ۱ / ۱۴۳)

عبید اللہ نہشلیہ کربلا میں شرکت سے محروم رہے ان کی زندگی کے واقعات بھی اندھیرے میں ہیں۔ ابوبکر ابن لیلیٰ بنت مسعود نہشلیہ کا نام شہدائے کربلا میں آتا ہے ابن جریر کو ان کے قتل ہونے میں شک ہے۔ شیخ عباس قمی نفس مہموم (۱/ ۱۷۳) میں ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کربلا میں قتل ہو گئے۔ البتہ ان کے قاتل کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ محمد اوسطؑ جن کی ماں ام ولد تھیں کربلا میں شرف شہادت سے سرفراز ہوئے (ابن کثیر ۴/ ۳۱)

عبداللہؑ و جعفرؑ و عثمانؑ نے بھی شہادت کا شرف پایا۔ عباسؑ اصغر کی وفات غالباً امیر المومنینؑ کے زمانہ ہی میں ہوئی تھی۔

(۲) حضرت عباسؑ کی اٹھارہ بہنوں میں کچھ تو حضرت علیؑ کے زمانے ہی میں وفات پا چکی تھیں جیسے زینبؑ صغریٰؑ، حمامہؑ، امامہؑ، ام سلمہؑ۔ رملہ صغریٰؑ (مناقب ابن شہر آشوب ۲/ ۷۶) اور کچھ کی وفات امیر المومنینؑ کے بعد ہوئی مگر ان کی شادیاں نہیں ہوئیں۔ جن کی شادیں ہوئیں ان میں نمایاں تر حضرت زینب کبریٰؑ ہیں۔ حضرت زینبؑ کی شادی عبداللہ بن جعفرؑ سے ہوئی۔ رقیہؑ کی شادی حضرت مسلم بن عقیلؑ سے ہوئی۔ فاطمہؑ کی شادی ابوسعید بن عقیل سے ہوئی۔ ام ہانیؑ کی شادی عبداللہ اکبر بن عقیل سے ہوئی۔ ام الحسنؑ کی شادی جعدہ بن ہبیرہؓ مخزومی سے ہوئی۔ امامہؑ کی شادی صلت بن عبداللہؓ بن نوفل بن حلوث مطلبی سے ہوئی۔

جناب زینبؑ حضرت عباسؑ کی وہ بہن تھیں جن پر کل بنی ہاشم بلکہ عرب بلکہ دنیائے انسانیت کو فخر ہے۔ تحریک کربلا میں انہوں نے امام حسینؑ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ حضرت کی زندگی میں بڑے صبر و ثبات سے ان کی پیروی کرتی رہیں۔ حضرت کی شہادت کے بعد اسیروں کی قیادت کا بار ان پر آ پڑا۔ سید سجادؑ بیماری اور دوسرے مصالح کی بنا پر زیادہ تر خاموش رہے۔ خاتون کربلا دختر زہراؑ نے تمام روح فرسا موقعوں پر نہایت حکمت و بصیرت سے کام لیا۔ بازار کوفہ، دربار زیاد، بازار شام اور دربار یزید میں ان کی انقلاب انگیز تقریروں کی تلخی دشمن کا کام و دہن آج تک محسوس کر رہا ہے۔

یہ وہ نام تھے جن میں بعض حضرت عباسؑ کے اسلاف اور بعض کم وبیش آپ کے ہم عمر تھے یہ آپ کے بھائی بہن تھے۔ ان لوگوں میں آپس میں صفات کا تبادلہ ہوا۔ اب سرسری طور پر آپ کی نسل کا بھی ذکر کرتے ہیں جس سے کچھ اندازہ ہوسکے گا کہ حضرت عباسؑ سے ان کو کیا وراثت صفات ملی۔

حضرت عباسؑ کی اولاد کی تعداد پانچ ہے۔ عبیدؒ اللہ و فضلؒ (ناسخ التواریخ) وحسنؒ (معارف ابن قتیبہؒ) و قاسمؒ اور دو بیٹیاں۔ ابن شہر آشوب نے کربلا کے شہیدوں میں حضرت عباسؑ کے ایک بیٹے محمدؒ کا نام لیا ہے۔ عبیداللہ وفضل کی ماں لبابہ بنت عبیداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب تھیں۔

حضرت عباسؑ کی نسل صرف عبیداللہؒ سے چلی۔ بعض حسنؒ بن عباس کی نسل کا بھی جاری رہنا بتاتے ہیں۔ عبیداللہ بن عباسؑ نے علم وفضل میں مقام عالی پایا۔ حسن و جمال ومروت میں بھی ان کا نام لیا جاتا ہے۔ ۱۵۵ھ میں ان کی وفات ہوئی انکی تین بیویاں تھیں۔ رقیہ بنت حسن بن علی و بنت معبد بن عبداللہ بن عبدالمطلب و بنت مسور بن مخترمہ زبیری (ذخیرۃ الدارین)۔

عبیداللہ بن عباسؑ کو جیسے ہی امام زین العابدین دیکھتے آپ کی آنکھوں سے آنسو چھلک اٹھتے۔ کوئی رونے کا سبب پوچھتا تو فرماتے:

ان کو دیکھ کر کربلا میں چچا عباسؑ کی قربانی یاد آجاتی ہے اور میں بیتاب ہوجاتا ہوں۔

عبیداللہؒ کی نسل میں فقہا ومحدثین پیدا ہوتے رہے۔ کتنا حسین ہے وہ کردار جس کی یاد سے اس کے سربرآوردہ ونمایاں اسلاف کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اور وہ اپنے تاریخی فخر وشرف میں اپنے خدمات وکمالات سے خود بھی چار چاند لگاتا ہے اور کتنا خوش نصیب ہے وہ انسان جس کی نسل میں اس کی روایت زندہ رہتی ہے اور اس کے اعقاب اپنے مورث کی صفات کی حفاظت کرنے میں اور اپنی تکمیل وترقی کے سفر میں اس کی یاد سے شمع کا کام لیتے ہیں۔

باب الحوائجؑ کی بارگاہ میں معجزات

کل بھی تھے، آج بھی ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے

جناب عباس علیہ السلام سیرت میں، صورت میں، صبر میں، قوت میں، شجاعت میں، عبادت میں، وقار میں، رعب و دبدبہ میں، گفتار اور رفتار میں بالکل اپنے والد بزرگوار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے مشابہ تھے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد کچھ لوگ مدینہ اشتیاق زیارت حضرت عباس علمدارؑ کو آئے۔ آپ اس وقت حرم سرا میں تشریف فرما تھے۔ حالانکہ ابھی لڑکپن تھا۔ امام حسین علیہ السلام کے حکم سے جب باہر تشریف لائے تو لوگ دس قدم پیچھے ہٹے اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ کبھی علیؑ کی جوانی دیکھی تھی خدا نظر بد سے بچائے جب یہ جوان ہوں گے تو کس عالم میں ہوں گے۔ آپ اتنے حسین تھے کہ دنیا قمر بنی ہاشمؑ کہنے پر مجبور ہوگئی۔ قمر جلالوی نے کیا خوب کہا ہے۔

پلاتیں دودھ جو زہراؑ امام ہوجاتے

باپؑ نے پورے دس برس خدا کے رسولؐ کے لشکر کی علمبرداری کی لیکن علمبردار نہ کہلائے بیٹے نے کچھ دیر کربلا کے میدان میں فوج حسینیؑ کی علمبرداری کی قیامت تک کے لیے علمدار مشہور ہوگئے۔

حسینؑ پر فداکاری کا جذبہ:

جناب عباسؑ کا بچپن کا زمانہ ہے فرط محبت کی وجہ سے جب کبھی امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کے ساتھ چلتے تو ان کے قدموں کی خاک اپنی آنکھوں میں لگاتے۔ مسجد کوفہ کا مشہور واقعہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام تشریف فرما ہیں آپ کے پہلو میں سرکار سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام جلوہ افروز ہیں۔ شہنشاہ کربلا کو پیاس لگی۔ قنبرؓ سے کہا پانی لاؤ۔ حکم ملتے ہی قنبرؓ اٹھے۔ حضرت عباسؑ جن کا اس وقت کم

سنی کا زمانہ تھا نزدیک بیٹھے ہوئے تھے قنبرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔
قنبرؓ ٹھہرو۔
عباسؑ حسینؑ کے سامنے تشریف لائے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا:
آ قا غلام کو کیوں بھلا دیا۔ میں اپنے آ قا کے لیے پانی لاتا ہوں۔فوراً چلے پانی کا جام لے کر خوشی خوشی مسجد کی طرف بڑھے۔ راستہ میں پانی گرا اور آپ کے کپڑے پانی سے تر ہو گئے۔ حسینؑ نے عباسؑ کو اس حال میں دیکھا، حسرت بھرے لہجے سے کہا: بھائی عباسؑ آج تو پانی لے آئے ہو مگر ایک دن ایسا آئے گا کہ تم ہمارے بچوں کے لیے پانی لینے جاؤ گے لیکن ہزار کوشش کے باوجود پانی نہ لا سکو گے۔
عباسؑ نے عرض کیا: مولا کیا میرے بازو اس وقت سلامت نہیں ہوں گے؟
جنگ صفین میں آپ کی فداکاری کا واقعہ بھی مشہور ہے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام باغیوں سے جنگ کر رہے ہیں۔ عباسؑ بھی اس جنگ میں بابا اور بھائی کے ہمراہ ہیں۔ عباسؑ حسینؑ کے دوش بدوش چل رہے ہیں جہاں حسینؑ اور فوج اعداء کے درمیان معرکہ ہوتا ہے عباسؑ شیر دلاور کی طرح غیض وغضب کے عالم میں بجلی کی تیزی کے ساتھ صفوں کو چیرتے اپنے آ قا حسینؑ اور اس فوج کے درمیان آ جاتے ہیں۔ جو سامنے آتا ہے نیزے کی انی سے اٹھا کر زمین پر گرا دیتے ہیں تھوڑی سی دیر میں اشقیا کو فنا کیا۔ فوج اعداء میں کھلبلی مچ گئی۔
جناب عباسؑ فرماتے جاتے تھے: کہ میں قمر بنی ہاشمؑ ہوں، فرزند حیدرؑ وصفدر ہوں، حق شناس ہوں۔ کس کی جرأت ہے کہ میرے ہوتے ہوئے آ قا حسینؑ کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھے۔
کفر و ضلالت کی تیز وتند آندھیوں نے اگر شمع رسالتؐ کو بجھانا چاہا تو یداللہؑ کا ہاتھ اوپر رہا۔ دشمنان خدا اور رسولؐ کی ہر کوشش کو زندگی بھر عباسؑ کے بابا اور ہمارے مولا امیر المومنینؑ ناکام کرتے رہے۔ اسی طرح باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شمع

امامت کے لیے فرزند یداللہؑ نے ہاتھ اوپر رکھا۔

یہ شمع امامت اسی وقت گل ہوسکتی ہے جب یہ ہاتھ نہ ہوں۔ آپ کے سامنے دنیاوی مثال ہے کہ جب کوئی شخص چراغ روشن کرتا ہے اور اس چراغ کو مکان کے دوسرے حصہ میں لے جانا چاہتا ہے اگر ایسی صورت میں تیز ہوا اس چراغ کو گل کرنا چاہے تو یہ شخص اپنا ہاتھ اس چراغ کی جلتی ہوئی لو کے قریب رکھ لیتا ہے اور اپنی پوری کوشش سے اس جلتے ہوئے چراغ کو بجھنے سے بچانے کی کرتا ہے۔

علیؑ اور ابن علیؑ عباسؑ کا کردار بھی بالکل اسی طرح ہے۔ علیؑ شمع رسالت کے پروانے اور عباسؑ شمع امامت کے محافظ دونوں نے اپنی زندگیوں میں رسالت اور امامت کو دشمنان اسلام کے شر سے محفوظ رکھا۔ بیٹا تو اس حد تک آگے بڑھ گیا کہ امامت کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے دونوں بازوؤں کو کٹوا لیا اور امامت کی شمع پر جان نثار کردی۔

حضرت عباسؑ میں حضرت علیؑ کے طور طریقہ تھے

حضرت عباس علیہ السلام کا وہی طور طریقہ تھا جو حضرت علی علیہ السلام کا تھا۔ علیؑ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے مددگار اور نائب تھے اسی طرح جناب عباسؑ فرزند رسولؐ ثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام کے مددگار اور نائب تھے۔ جناب امیر علیہ السلام فقراء و مساکین کو رات کے وقت اپنی پشت پر لاد کر اجناس پہنچایا کرتے تھے۔ اسی طرح جناب عباسؑ بھی فقراء اور مساکین کی دلجوئی کرتے تھے۔

رسولؐ خدا تک پہنچنے کے لیے حضرت علی علیہ السلام کا وسیلہ ضروری ہے اسی طرح امام حسینؑ تک پہنچنے کے لیے حضرت عباس علیہ السلام کا وسیلہ چاہئے۔ اس جگہ ایک واقعہ بیان کرتا چلوں ایک زائر امام حسین علیہ السلام کی زیارت کو جاتا تھا لیکن جناب عباسؑ کی زیارت کو بہت کم۔

اس کو خواب میں جناب سیدہؑ نے تنبیہ کی کہ تم میرے بیٹے کی زیارت کو نہیں

جاتے ہو۔

زائر نے کہا بی بیؑ میں تو ہر روز زیارت سیدؑ الشہدا کو جاتا ہوں مجھ سے تو کبھی ناغہ نہیں ہوتا۔

اس پر بی بیؑ نے کہا: ہاں تم جاتے ہو لیکن میرے بیٹے عباسؑ کی زیارت نہیں کرتے۔

دیکھا آپ نے اگر کوئی شخص امام عالی مقام کی زیارت کر کے آ جائے اور جناب عباسؑ کی زیارت نہ کرے قسم بخدا اس کی زیارت قبول نہیں ہوگی۔ عباسؑ اپنے بزرگوں کی طرح باب الحوائج ہیں۔ یہاں جو بھی آتا ہے مرادیں پاتا ہے جو ان کا نام لے کر منت مانتا ہے اس کی منت پوری ہوتی ہے۔

مظہر العجائب و الغرائب حضرت علی علیہ السلام کے اس فرزند ارجمند کے کچھ معجزات اور کرامات بکھرے ہوئے اوراق سے جمع کر کے اس کتاب میں شائع کر رہا ہوں تاکہ منکر معجزات ان کو پڑھ کر ایمان لے آئیں اور اہل ایمان ان کے پڑھنے سے اپنے ایمان کو تازہ کریں۔

۱

شاعر اہلبیتؑ قیصر بارہوی کا کھویا ہوا بستہ مل گیا

گود میں فاطمہؑ کی بخشش امت کے لیے
لاش اصغرؑ کی ہے عباسؑ علمدار کے ہاتھ

جناب قیصر بارہوی شاعر اہل بیتؑ حال مقیم لاہور کا ایک عجیب و غریب تعجب خیز واقعہ کتاب علیؑ علی حصہ دوم صفحہ نمبر ۱۱۴ پر بحوالہ امامیہ جنتری لاہور تحریر ہے کہ ایک دفعہ جناب قیصر بارہوی صاحب لاہور سے ملتان مجلس امام حسینؑ سے خطاب کے لیے

بذریعہ بس تشریف لے جارہے تھے۔ یہ بس ساہیوال جاکر کھڑی ہوگئی۔ کنڈیکٹر نے سواریوں سے کہا کہ ملتان کی سواریاں اس بس سے اتر کر سامنے کھڑی ہوئی دوسری بس میں آجائیں۔ میں بھی دوسری سواریوں کے ساتھ ملتان والی بس میں بیٹھ گیا۔ اور بس روانہ ہوگئی۔

بس کو چلے ہوئے کئی میل ہوئے ہوں گے کہ مجھ کو خیال آیا کہ میرا بستہ جس میں مرثیوں کی بیاض بھی تھی وہ تو پہلی والی بس ہی میں رہ گیا۔ دل دھک سے ہوگیا۔ اب کیا کریں واپس جاتے ہیں تو بس وہاں نہ ملے یا تھیلا کوئی دوسرا شخص لے گیا ہو اور اب اگر آگے جاتے ہیں تو پھر ملتان میں مجلس کیا پڑھیں گے؟

دل ہی دل میں حضرت عباسؑ علمدار سے مدد مانگی اور کہا:

مشکل کشاء کے فرزند میری مدد کیجیے کہ آپ کے بھائی شہیدؑ کربلا کی مجلس پڑھنے جارہا ہوں اور جو کچھ حادثہ ہوگیا اس کی بھی آپ کو خبر ہے۔ مولا عباسؑ مرثیوں کی بیاض آپ ہی عطا کریں گے۔

دل ہی دل میں مولا سے کہہ رہا تھا کہ جس بس میں سفر کررہا تھا اچانک وہ خراب ہوگئی جس کی وجہ سے ڈرائیور نے بس روک لی اور تمام سواریاں بس سے نیچے اتر گئیں۔ ڈرائیور اور کلینر بس کو ٹھیک کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں خانیوال کی طرف سے ایک بس آئی اور ہماری بس سے چند گز کے فاصلہ پر آگے جاکر رک گئی اس میں سے ایک آدمی اترا۔ اور ہماری بس کے پاس آکر باآواز بلند میرا نام لے کر کہا:

کہ قیصر بارہوی صاحب کون ہیں۔

میں نے اپنا نام سنا فوراً بول اٹھا میں ہوں۔

اس شخص نے میرا تھیلا مجھ کو تھمایا اور کہا کہ راستہ میں ایک شخص نے مجھ کو یہ تھیلا دیا تھا اور بڑی تاکید سے کہا تھا کہ ابھی راستہ میں تم کو ایک بس ایک جگہ کھڑی ہوئی ملے گی۔ اس میں ایک شخص قیصر بارہوی نام کے ہوں گے۔ ان کو یہ تھیلا پہنچا دینا۔ یہ

کہہ کر وہ آدمی اپنی بس میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ اس شخص کے جاتے ہی ہماری خراب بس بھی ٹھیک ہو گئی اور مسافروں کو بٹھا کر منزل کی طرف رواں ہو گئی۔

(صلوٰۃ بر محمد وآل محمد علیہم السلام) اس واقعہ نے یہ ثابت کر دیا کہ معجزے اب بھی ہوتے ہیں بشرطیکہ آل محمد علیہم السلام سے صدق دل سے رجوع کیا جائے۔

۲

پاکستانی صحافی کی آپ بیتی، جس نے حضرت عباسؑ کی زیارت کی

بحوالہ جنگ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء کالم نگار جناب رئیس امروہوی۔

روضہ مبارک حضرت عباسؑ علمدار کا ایک وجدانی منظر۔

ممتاز صحافی جناب اقبال احمد صدیقی ساکن یو کے پلازا فیڈرل بی ایریا میر ہائی وے کراچی روزنامہ جنگ اور اخبار جہاں کے نمائندے کی حیثیت سے عراق کے دورے پر گئے تھے۔ اس سلسلے میں ان کو ایک عجیب واقعہ سے دوچار ہونا پڑا۔ لکھتے ہیں کہ عراق میں اکیسواں روزہ تھا۔ پاکستان میں رمضان المبارک کی بیسویں تاریخ ہوگی۔ میں نے شاہراہ سعدون پر واقع ہوٹل دارالسلام کے کمرہ نمبر ۴۰۶ میں وضو کیا، کپڑے تبدیل کیے اور کمرہ بند کر کے لفٹ کے ذریعہ نیچے اترا۔ دروازے پر کربلائے معلیٰ جانے کے لیے ایک ایئر کنڈیشنڈ ٹویوٹا کار منتظر تھی میں دو پاکستانی صحافیوں کی رفاقت میں کربلا کی جانب روانہ ہوا۔ عراقی وزارت ثقافت کے ایک نوجوان افسر رہنما کے طور پر ہمراہ تھے۔ عقیدت اور محبت کے جذبات سے دل سرشار تھا۔

ہم پہلے دریائے دجلہ اور فرات کے جدید ترین پل سے گزرے ہمارے رہنما مسٹر علی جو بغداد یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں راستہ میں آنے والے تمام مقامات کے بارے میں معلومات فراہم کر رہے تھے۔ ٹریفک کی زیادتی کے باوجود ہماری گاڑیا

پوری رفتار سے رواں دواں تھی۔ السید پل کے بعد عمودیہ اور اسکندریہ نام کی دو بستیاں آئیں۔ پھر کربلائے معلی کے آثار نمودار ہوئے ہم شہر میں داخل ہوئے تو کاروں، بسوں، موٹر سائیکلوں اور پیدل چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ ہماری گاڑی کا گزرنا مشکل تھا بالآخر روضہ مبارک سے دور گاڑی کو کھڑا کیا اور سیدنا امام حسین علیہ السلام کے روضہ مبارک پر حاضری دی۔ پشاور کے روزنامہ جہاد کے ایڈیٹر جناب شریف فاروق اور اخبار خواتین کی نمائندہ خصوصی برائے اسلام آباد مسز شمیم الحق ہمسفر تھیں۔

دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بابِ حسینؑ سے اندر داخل ہوئے۔ ہجوم کی وہ کثرت کہ اللہ اکبر! جو شان و شوکت اللہ تعالیٰ نے اس مقام متبرک کو عطا کی ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا مشکل اور بہت مشکل ہے۔ زائرین والہانہ انداز میں روضہ امام حسین علیہ السلام کی جالیوں کو بوسہ دے رہے تھے اور رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا میں نے ساتھیوں سے اجازت لے کر ایک تنگ جگہ بیٹھ کر نماز ادا کی پھر سب کے ساتھ کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔

اس وقت دل اور نظروں کو عجیب قسم کی سرور آمیز ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا۔ پورا ماحول شفقت اور محبت کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ افطار کا وقت قریب تھا ہماری خواہش تھی کہ دوسرے شہدا کی زیارت سے محروم نہ رہیں ہجوم کے سبب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلنا پڑتا تھا۔ ہم نے حضرت عباسؑ ابن علی علیہ السلام کے روضہ منورہ میں قدم رکھا۔ کیا جاہ و جلال تھا! زائرین کے ہجوم سے گزر کر قریب پہنچے تو صدر دروازے پر خوبصورت الفاظ میں کندہ تھا۔

حضرت عباس یا ابا الفضل العباسؑ

اور آپ کی ضریح مبارک پر السلام علیک یا عباسؑ قمر بنی ہاشم تحریر تھا۔ ہیبت اور عظمت کے سبب میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں

اسکول کا کمسن معمولی طالب علم ہوں اور اپنا ہوم ورک کیے بغیر کلاس ٹیچر کے سامنے آ گیا ہوں، جہاں مجھ سے میری کوتاہی پر باز پرس ہوسکتی ہے۔ سوچا کہ شاید اس ذہنی کیفیت کا سبب اعصابی دباؤ ہے لیکن جلد ہی محسوس ہوا کہ یہ عذر غلط ہے۔ عباسؑ علمدار کی پوری زندگی چشم باطن کے سامنے سے گزرنے لگی۔

آپ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے سال اول ۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے عظیم المرتبت والد سیدنا علی علیہ السلام کے سایہ شفقت میں آپ کا بچپن گزرا۔ جنگ صفین میں زخمیوں کو پانی پلاتے رہے۔ عاشورہ محرم کو مشکیزہ لے کر فرات پر گئے اسے بھر کر واپس لا رہے تھے کہ یزیدی سپاہیوں نے آپ کے دونوں ہاتھ قلم کردیے تو مشکیزے کو دانتوں سے پکڑ لیا۔ شجاع ابن شجاع لشکر حسینؑ کے علمدار، کیا ہی جاہ و جلال ہے جو ان کے روضہ مبارک سے عیاں ہے۔

بازار کربلا میں آئس کریم سے روزہ افطار کیا۔ رات گئے وہاں سے واپسی ہوئی اپنے ہوٹل میں پہنچا۔ کمرہ بدستور مقفل تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ تھوڑی دیر بعد کمرے میں طعام کیا جانا ہے دروازے پر جو خودکار طریقہ پر داخل ہوجانے کے بعد بند ہو جاتا تھا۔ کھٹکا ہوا اور محسوس ہوا کہ کمرے میں میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔ کمرہ خوب روشن تھا۔ جھرجھری آ گئی۔ فوراً کوریڈور کی طرف مڑ کر دیکھا۔ ایک صاحب بالکل قریب آ کر واپس جا رہے تھے۔

چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد۔ سبز عمامہ، سیاہ خشخشی داڑھی، خوب چوڑا سینہ، شانے بڑے بڑے، سر سے پاؤں تک مجاہدانہ شان، شفاف پیشانی۔ میں اتنا مرعوب ہوا کہ فوراً کمرے سے باہر آ گیا۔ مگر دور تک کوئی نظر نہ آیا دروازہ بند کرکے سیدھا فرسٹ فلور پر ڈائننگ ہال میں چلا گیا کسی سے کچھ نہ کہا۔ شریف فاروق سے کہا کہ آپ کے کمرے میں چلتا ہوں۔ نماز بھی وہیں پڑھوں گا۔

فضا میں عجیب قسم کی دلآویز مہک تھی جس سے بڑی تسکین ہو رہی تھی۔ کراچی

میں ایک صاحب معرفت بزرگ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو کہنے لگے کہ آپ کربلا میں جن بزرگ کے مہمان تھے۔ انہوں نے اپنی حفاظت میں آپ کو قیام گاہ تک پہنچا دیا۔ یہ محض حسن اتفاق ہے کہ آپ نے یہ منظر دیکھ بھی لیا۔

دو مہینے ہوگئے حیران ہوں کہ یہ کیا تھا۔ کوئی نفسیاتی ڈرامہ یا وجدانی نظارہ...... اس مقام پر عقل بالکل کام نہیں کرتی۔ اس کیفیت کے متعلق کس سے دریافت کروں؟

۳

ذاکر حسینؑ کی عظمت جناب عباسؑ علمدار کی نظر میں

کہا عباسؑ نے فوج عدو سے اب کہاں ہیں وہ
صفوں سے جو نکلتے تھے بہت جرار بن بن کر

(تمنا مرحوم)

مصنف کتاب سرور المومنین لکھتے ہیں کہ میرے بھائی شیخ جعفر نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ ایک سید کے ساتھ کربلا سے نجف اشرف کو جارہے تھے راستہ میں ایک عالی شان عمارت پر نظر پڑی جس کے اردگرد نہایت گنجان درخت پورے سلیقہ کے ساتھ لگے ہوئے تھے دل میں سوچنے لگا کہ بارہا اس طرف سے گزر ہوا ہے۔ کبھی اس قسم کا کوئی مکان اس راہ میں نظر سے گزرا ہی نہیں۔ یہ مکان کیا ہے ہم اس تردد میں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ کہ ایک بزرگ سامنے سے نمودار ہوئے اور فرمانے لگے: یہ میرا مکان ہے آیئے اور میری دعوت مہمانی قبول فرمایئے۔ ہم دونوں ان کے ہمراہ داخلِ خانہ ہوئے۔

وہ مکان کیا تھا جنت کا نمونہ تھا۔ اس مکان میں راحت اور آرام کے تمام اسباب دکھائی دے رہے تھے۔ ایسی ایسی نعمتیں مہیا تھیں جن کو اس سے پہلے میں نے نہیں

دیکھا تھا۔ اور نہ کانوں سے سنا تھ اس مکان کے اندر ایسے ایسے باغات تھے کہ سبحان اللہ! باغوں کے درختوں پر طائران خوش الحان اور مرغان شیریں بیاں چہک رہے تھے۔ نہریں جاری تھیں۔ سبزہ لہلہا رہا تھا۔ درخت بارثمر سے جھکے ہوئے تھے۔ پھولوں کی خوشبو سے دماغ معطر تھے۔

اس عجیب وغریب مکان میں سیر کرتا ہوا جارہا تھا کہ اس کے ایک پہلو سے ایک اور شاندار مکان نظر آیا۔ اسے دیکھ کر میں اور حیران ہوگیا۔ وہ اس خوبی سے بنا ہوا تھا اور بہت بہترین طریقہ سے آراستہ تھا کہ اس کی توصیف سے میری زبان قاصر ہے۔

اس میں ایک بزرگوار جن کے چہرے سے عظمت وجلال آشکار تھ۔ مجھے دکھائی دیے۔ انہیں میں نے صدر مقام پر بیٹھے دیکھا۔ میں نے آگے بڑھ کر نہایت ادب سے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب سلام کے بعد اسی سید سے جو میرے ہمراہ تھا اور جسے میں پہچانتا بھی نہ تھا لیکن رفیق سفر ہونے کی وجہ سے میں ان سے مانوس تھا۔ فرمایا: کہ اس شیخ کو جو کہ آقائے نامدار حضرت سید الشہداء کا ذاکر ہے فلاں مقام پر لے جاؤ اور اسے آب سرد اور طعام لذیذ سے سیراب کرو۔ اور جس چیز کی اسے ضرورت ہو اسے مہیا کردو۔

یہ سن کر وہ سید مجھے ایک مکان وسیع میں لے گیا جہاں انواع واقسام کے کھانے چنے تھے میں نے خوب سیر ہو کر کھایا جب وہ سید مجھے رخصت کرنے کے لیے بیرون خانہ آیا تو میں نے اس سے کہا:

تجھے قسم ہے اس عظیم الشان شخصیت کی جو اس مکان کا مالک ہے مجھے بتا کہ یہ کون سا مقام ہے اور یہ مسند نشین صدر خانہ کون ہیں؟ اس نے کہا:

اس مقام کا نام وادی مقدس ہے اور ان جناب کا اسم گرامی حضرت عباس علیہ السلام ہے اور یہ مکان ان ہی جناب کا ہے۔ یہیں سب شہدائے کربلا جمع ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں جاتے ہیں۔

میں نے عرض کی: اے سید میں نے بھی سنا ہے اور کتابوں میں بھی پڑھا ہے کہ کربلا میں حضرت عباس علیہ السلام کے دونوں دست مبارک کٹ گئے تھے۔ اس نے کہا: بے شک۔

میں نے عرض کیا: کہ مجھے رخصت آخری کے بہانے سے ان کی خدمت میں لے چلو تاکہ میں حضرت کے دست بریدہ جسم کو بچشم خود دیکھ لوں۔

وہ سید مجھے دوبارہ ان کی خدمت میں لے گیا۔ میں نے جونہی ان کے دست بریدہ جسم کو دیکھا میں بے اختیار ہونے لگا اور بے ساختہ یہ اشعار میری زبان پر جاری ہو گئے۔

ترجمہ: دشمنوں نے ان کے جسم کو تیروں سے چھلنی بنا کر اس مشکیزہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جسے انہوں نے بڑی مشکلوں سے پر کیا تھا۔ اس وقت آپ نے کمال مایوسی کے عالم میں باچشم پرنم حضرت امام حسین علیہ السلام کو آواز دی:

اے میرے آقا حسینؑ میری تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ افسوس میں پانی پہنچانے سے قبل ملک الموت سے ملاقات کرنے پر مجبور ہو گیا۔

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر حضرتؑ رونے لگے اور فرمایا: اے شیخ خدا تم لوگوں کو صبر دے میں نے ان سے زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں جن کی تمہیں اطلاع نہیں ہے۔

۴

حضرت عباسؑ کی اہم مصیبت اور ایک خواب

بڑھ کر عباسؑ نے سجادہ اُدھر بچھوایا
خواب سے بیٹوں کو زینبؑ نے اِدھر چونکایا

(آرزو لکھنویؒ)

کتاب تظلم الزہرا صفحہ ۱۲۰ میں تحریر ہے کہ جب حکیم بن طفیل نے حضرت

عباس علیہ السلام کا بایاں ہاتھ قطع کر دیا تو آپ نے علم کو اپنے سینے سے لگایا۔ اسے لکھنے کے بعد مصنف بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عالم جلیل القدر علامہ شیخ کاظم حسینی نے فرمایا کہ ایک عالم دین میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے: میں حضرت عباس علیہ السلام کا سفیر ہوں۔ آپ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

میں نے پوچھا: کیا پیغام لائے ہو۔

فرمایا: مجھ سے حضرت عباس علیہ السلام نے خواب میں فرمایا کہ میں آپ کے پاس جاؤں اور یہ کہہ دوں کہ آپ حضرت عباس علیہ السلام کے مصائب مجالس میں بہت کم پڑھتے ہیں۔

اس کے بعد اس عالم سفیر نے کہا کہ میں نے حضرت عباسؑ کے اس فرمانے پر عرض کی: مولاؑ میں تو خود کئی دفعہ ان کی مجالس میں شرکت کر چکا ہوں۔ میں نے خود سنا ہے کہ یہ عالم مجالس میں آپ کا ذکر کرتے ہیں اور مصائب بیان کرتے ہیں۔

اس پر جناب عباسؑ علمدار نے کہا: کہ یہ ٹھیک ہے لیکن وہ میری اس عظیم مصیبت کو بیان نہیں کرتے جب کوئی سوار زخموں کی تاب نہ لاکر اپنے گھوڑے سے زمین کی طرف گرتا ہے تو زمین پر پہنچنے میں اپنے ہاتھ کا سہارا لیتا ہے لیکن وہ مظلوم کیا کرے جس کے سینے میں تیر چبھے ہوں اور دونوں ہاتھ کٹے ہوں وہ زمین پر گرتے وقت کس چیز کا سہارا لے سکتا ہے؟

اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام نے گھوڑے سے گرتے وقت خود کو ہاتھوں کے سہارے سے محروم پا کر انتہائی صدمہ اٹھایا اور اس مصیبت کو علیؑ کے شیر دلاور نے بہت محسوس کیا ہے۔

(میرا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ذاکرین صاحبان جب حضرت عباس علیہ السلام کے مصائب بیان کریں تو مصائب کے اس ٹکڑے کو ضرور بیان کریں۔)

۵

بجلی کے کرنٹ سے مرجانے والا بچہ زندہ ہوگیا

شوکت رایت سلطان مدینہ دیکھو
ہے وہ پرچم سے بندھی مشک سکینہؑ دیکھو

عالی جناب مولانا علی اختر صاحب امروہوی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ جناب والا کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں زیارت سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے اہل خاندان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ ان کا پوتا حسن عباس بھی شریک سفر تھا۔ دوران قیام کربلائے معلیٰ ان کے اس پوتے کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جس کو جناب اختر علی صاحب نے حضرت عباس علیہ السلام کے معجزے سے تعبیر کیا ہے۔ اس پورے معجزے کو آپ نے کتاب ''زائر حسینؑ کا روزنامچہ'' صفحہ نمبر ۱۳۰ میں تحریر کیا ہے۔

۲۹ مئی ۱۹۵۲ء ۱۴ شعبان جمعہ آج کربلائے معلیٰ کے ہر گلی کوچہ میں بھیڑ بھاڑ ہے سڑکیں مسلسل پیدل آنے والے زائرین سے یا ان کو لانے والی موٹر گاڑیوں سے بھری ہیں۔ روضہ جات میں اور عمارات مثلاً خیمہ گاہ وغیرہ میں بڑے بڑے وسیع صحن، دریچیاں، دالان، ہر ہر جگہ مضافات کے آئے ہوئے قافلوں سے بھر چکے ہیں۔ اب ان مقامات میں آمدورفت دشوار ہے۔ چوں کہ ہر آنے والے کا مقصد حاضریِ حرم مبارک و زیارت ضریح مقدس ہوتا ہے لہٰذا حرم کا مجمع بہت اور محدود جگہ ہونے کی وجہ سے بے حد کشمکش ہوتی ہے۔

صبح سے گھر ہی میں تھا یہ پروگرام بنایا کہ آج شب اعمال وعبادات اپنی قیام گاہ پر کیے جائیں گے اور آخری حصہ شب میں سب عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر

مشرف بہ زیارت ہوں گا۔ اس وقت بھیڑ کم ہونے کا خیال تھا۔ گزشتہ رات چونکہ شب جمعہ تھی کم خوابی کی وجہ سے اس وقت طبیعت کسلمند تھی۔ لیٹے لیٹے رسالہ نور کراچی کا آیا ہوا تھا پڑھنے لگا پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ تقریباً دس بجے دن کا وقت تھا۔ متصل کمرہ میں میری اہلیہ اور بہو وغیرہ تھے۔

یکا یک شور وغل کی آواز نے مجھے خواب سے چونکا دیا۔ دیکھتا ہوں کہ میری اہلیہ اور ان کے پیچھے پیچھے میری پوتی صادقہ اختر سلمیٰ روتی پیٹتی فریاد کناں دوسری جانب اسی عمارت میں بھاگی جارہی ہیں۔ میں گھبرا گیا۔ استفسار حال کرتا ہوا پیچھے دوڑا اس نے بتلایا کہ اس کا چھوٹا بھائی حسن عباس سلمہ، گلی والے کمرہ میں بجلی کے تار سے لپٹ کے بیہوش ہوگیا ہے۔ اس خبر نے دماغ کو بے کار کردیا۔

افتاں وخیزاں اس کمرہ میں پہنچا۔ اس کمرہ میں ایک کھڑکی ہے جس پر لوہے کی سلاخوں کو موڑ کر ایک بارجہ بنایا گیا تھا اسی جگہ بجلی کا تار گلی کی مین لائن میں دوڑا ہوا ہے یہ بچہ اسی کمرہ میں گیا۔ صادقہ اس کی بہن بھی اسی جگہ تھی۔ میرے دن کے آرام کے لیے اسی خالی کمرہ میں ملازم نے بستر کردیا تھا کیونکہ آج مسافر خانہ کی عمارت میں بہت زیادہ مجمع مسافر زائروں کا ہوگیا تھا۔ یہ جگہ علیحدہ اور خاموش تھی۔ بچوں نے یہاں نئی جگہ آکر دیکھ بھال شروع کردی۔

صاحبزادہ حسن عباس سلمہ، نے جس کی عمر ۸ سال کی ہے۔ اس کھڑکی کے آہنی کٹھرے پر کھڑے ہوکر بجلی کے تار کو پکڑ لیا۔ اسے سی کرنٹ کی بجلی، مین لائن کو بچہ نے بے اختیاری طور پر پکڑا، بجلی کا جو کام تھا اس نے کیا۔ یہ اسی تار میں لٹک کر بے حس و حرکت رہ گیا میں نے جس حال میں اس کو پایا۔ خدا کسی دشمن کو بھی اس کی اولاد کا یہ منظر نہ دکھلائے۔ منکا ڈھلا ہوا آمد و شد نفس کا نام نہیں۔ اس تار میں اس حالت سے لپٹے اور لٹکتے تقریباً دس منٹ گزر چکے تھے۔

میں نے پہنچتے ہی اس کو گود میں لیا اور ہاتھ کی انگلیاں جو تار سے متصل تھیں اور

اس سے بجلی اپنی قوت میں اس کو جذب کیے لٹکائے ہوئے تھی تار سے چھڑا کر علیحدہ اسی جگہ فرش پر بیٹھ گیا۔ اور میری زبان سے مسلسل یہ فریاد جاری تھی کہ ابوالفضل العباسؑ میرے اس بچے کو مجھے واپس دلوا دیجیے اور یہ فقرہ اس یقین کے ساتھ میرے منہ سے نکل رہا تھا کہ میں محض جسد خاکی کو گود میں لیے بیٹھا ہوں۔ چاروں طرف مرد، عورت، اپنے، پرائے گھیرا ڈالے میرے ساتھ ہم آواز فریاد و دعا کر رہے تھے۔ گھبراہٹ و پریشانی کے عالم میں کچھ لوگ ڈاکٹر کو بلانے بھاگے ہوئے گئے۔

اس بچہ کے باپ صاحبزادہ اختر عباس سلمہ مکان کے زیریں حصہ میں بیٹھے ہوئے اپنے استاد عالی جناب ڈاکٹر سید جعفر حسین صاحب (ڈی لٹ) سے باتیں کر رہے تھے۔ ان تک خبر پہنچی اور وہ لوگ بھی بدحواس میرے پاس پہنچ کر شریک حال ہو گئے۔

میری اہلیہ بلا کسی اطلاع کے پہلے ہی اس بچے کو لٹکا ہوا دیکھ کر بے تحاشہ حواس باختہ تنہا حرم مبارک سید الشہداء امام حسین علیہ السلام میں فریاد کناں پہنچ گئیں۔ مجمع کی کثرت سے ضریح مبارک کے پاس رُک نہ سکیں۔ تو جناب ابن حبیب ابن مظاہرؓ کی ضریح کے پاس رواق میں بیٹھ گئیں اور مولا سے رو رو کر فریاد کرنے لگیں۔ گرد و پیش عربی و عجمی عورتوں نے ان کی سراسیمگی سے متاثر ہو کر استفسار حال کیا اور سب نے رو رو کر ان کی فریاد و دعا میں شرکت کی۔

اسی حالت میں اس بچے نے میری گود میں (جس کو میں مردہ کی حیثیت سے لیے پندرہ منٹ سے بیٹھا تھا اور پانی چھڑکتا تھا) زندگی کے آثار ظاہر کیے۔ ہونٹوں پر خفیف سی حرکت معلوم ہوئی۔ پانی کے قطرات ٹپکائے۔ آنکھوں میں بھی حرکت محسوس ہوئی۔ ہماری فریاد مسلسل جاری تھی۔ رفتہ رفتہ آنکھیں کھولیں مگر چہرے کا رنگ سفید آنکھوں سے انتہائی ضعف ظاہر ہوتا تھا۔ میری آواز پر حواس مجتمع کر کے نقاہت و اشارہ سے جواب دیا۔ سب لوگ متحیر ہو کر درود سلام پڑھنے لگے۔ (صلوٰۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ)

اس بچہ کی ماں بالا خانے پر روضہ مطہر جناب سید الشہداء علیہ السلام کے سامنے رخ

کیے سر برہنہ مصروف فریاد و فغاں تھی میں نے اس کو بلایا کہ آئے اور اپنے لخت جگر کو لے اور اپنے مولا کی فریاد رسی کا کرشمہ دیکھے۔ آئی اور بے تابانہ اپنے نورنظر کو کلیجہ سے لگا کر رونے لگی۔ اسی حالت میں ڈاکٹر قریشی صاحب تشریف لائے انھوں نے آلہ لگا کر قلب کی حرکت دیکھی نبضیں دیکھیں اور مجھ سے کہا کہ بچہ بفضلہ خطرہ سے باہر ہے۔

مختصر یہ کہ ڈاکٹر صاحب کو رخصت کر کے ہم اس عطیہ ابوالفضلؑ العباس کو گود میں لیے دوسرے کمرے میں چلے آئے جہاں مجمع سے الگ ہو کر اس کو آرام کرنے کا موقع دیا۔ کئی گھنٹہ خاموش پڑا رہا نہ کچھ کھانے پینے کی رغبت، نہ بات کرنے کی طاقت۔ ہاتھوں کی انگلیوں سے جو بجلی کے تار لپٹے تھے چھالے پڑ گئے تھے۔ اس کے کپڑے بدلتے ہوئے ظاہر ہوا کہ پیر کے تلوے میں بھی ایک بڑا چھالہ قریب تین انچ کا پڑ گیا ہے۔ اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ سہ پہر اس نے پھلوں کا عرق، دودھ برف کے ساتھ پیا اور چہرہ پر بحالی آ گئی۔ رات کو صحت مندانہ انداز میں آرام کیا۔

ہم لوگ نہایت سکون و آرام سے تمام شب اعمال نیمہ شعبان بجالائے، عبادت الٰہی میں مصروف و مشغول رہے اور شکر خدا و رسول بجالائے۔

(اللھم صل علیٰ محمدؐ و آل محمدؐ)

تین بجے رات کو معہ اپنی اہلیہ کے حرم مبارک میں حاضر ہوا۔ خیال تھا کہ مجمع اس وقت کم ہوگا مگر اس وقت بھی بہت بڑا ہجوم ہے۔ تمام عمارت صحن و دالان میں مجمع ہی مجمع ہے علی الخصوص اندر حرم ضریح اقدس کے ایک اژدہام زائرین کا ہے۔ جدھر دیکھو لوگ مصروف طواف یا عبادت ہیں کسی نہ کسی طرح اندر حرم مبارک پہنچ کر اس شب کے مخصوص اعمال و زیارات وغیرہ پڑھ کر ایک گوشہ میں علیحدہ بیٹھ کر مقصد حسینیؑ کی ابدی کامیابی کا یہ منظر دیکھتا رہا کہ رات کے چار بجے ہیں لوگ اس آستانہ پر اپنے دل کی مرادیں مانگنے چلے آ رہے ہیں اور یزید کا نہ نام ہے اور نہ نشان۔

حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسینؑ

اب اس واقعہ کے متعلق ارباب بصیرت ناظرین کو دعوت غور وفکر دیتا ہوں۔ قارئین کی خدمت میں عرض ہے کہ معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ نظام فطرت کے تحت جو افعال وخواص ہر شئے کے ایک مقررہ اصول و عادات کے پابند ہیں اس کے خلاف بلاکسی خارجی مداخلت کے کوئی اثر یا نتیجہ ظاہر ہو۔ مثلاً آگ کا کام جلانے کا ہے، پانی کا کام ڈبونے کا ہے، اسی طرح بجلی کا کام سیکنڈ سے بھی کم وقفہ میں اپنے معمول کو فنا کر دینے کا ہے چنانچہ اس واقعہ میں بھی بجلی نے اپنا کام کیا۔

حسن عباس نے بجلی کے تار کو ہاتھ سے پکڑا اس نے فوراً ہی اپنی طاقت میں اس کو جذب کرلیا اور یہ لپٹ کر رہ گیا۔ لوہے کی سلاخوں کے کٹہرے پر ننگے پیر کھڑا تھا بجلی کی قوت ہاتھوں سے پاس ہوتی رہی اور پیروں کے نیچے لوہے کو جلاتی رہی۔ جس کے گرم ہو جانے سے اس کا پیر اچھا خاصا جل گیا۔

تین ہفتہ مسلسل زخم کا علاج ہوتا رہا۔ تب ٹھیک ہوا کوئی غیر موصل چیز، برقی قوت اور اس کے جسم کے اتصال میں ایسی حارج نہ تھی جو بجلی کے کرنٹ کے لیے رکاوٹ کا باعث بنتی۔ دس منٹ کے وقفہ تک عامل و معمول ایک دوسرے سے متصل اور وابستہ رہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر ایسی حالت میں معمول سے کوئی دوسرا انسان لپٹ جاتا ہے تو وہ بھی اسی بجلی کی زد میں آجاتا ہے۔ اب اس واقعہ پر غور کرتا ہوں تو پہلی بات خرق عادت کی یہی ہے کہ میں نے بلاکسی خیال اور احتیاط کے بچہ کو گود میں سنبھالا۔ اپنے ہاتھوں سے اس کی انگلیاں تاروں سے چھڑائیں اور اسی جگہ فرش پر اس کو لیے ہوئے بیٹھ گیا مگر مجھے کوئی اثر بجلی کا محسوس نہ ہوا۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ یہ عالم بیہوشی و بے حسی جو تقریباً ۱۵، ۲۰ منٹ تک بچہ پر میری گود میں گزری دو حال سے خالی نہیں ہوسکتی۔ پہلی بات یہ کہ وہ مر چکا ہے جیسا کہ میرا یقین تھا اور ہے یا وہ زندہ تھا لیکن بظاہر مردہ تھا۔ اگر زندہ تسلیم کرلیا جائے تو خرق عادت میں یہ جز واقعہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ برقی قوت نے اپنے

معمول پر کم سے کم دس پندرہ منٹ کے اتصال کے باوجود کوئی اثر نہیں کیا۔

یا اثر کیا بھی تو اتنا ناقص وکمزور جس کی کوئی وجہ عقل میں نہیں آسکتی۔ بجز اس کے کہ کسی بالاتر طاقت نے بجلی کے اثر کو کمزور بنا دیا اور بس یہی تصرف روحانی علمدار حسینؑ حضرت عباس علیہ السلام کا ہے جن کو ہم رو رو کر دل کی آواز سے پکار رہے تھے اور ہمارے ساتھ یہاں سے حرم مبارک سید الشہدا تک سینکڑوں زائر ہمارے ہم آواز تھے۔

دوسری بات یہ کہ بجلی نے اپنا کام کیا بچہ کی روح قفس جسدی سے علیحدہ ہو چکی تھی علی مرتضیٰ علیہ السلام کے فرزند سیدؑ الشہداؑ کے قوت بازو ہمارے فریادرس ابوالفضل العباسؑ نے اپنی اعجازی طاقت سے رضائے الٰہی حاصل کرنے کے بعد دوبارہ خلعت حیات اس بچہ کو عطا کر دی اور زائر حسینؑ کو مبتلاء مصیبت نہیں ہونے دیا۔ بہر صورت یہ واقعہ اپنی جگہ پر اعجازی اور معجزاتی حیثیت رکھتا ہے جس کو عراق میں موجود ہزاروں لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

شاہ ایران موت کے منہ سے بچ گیا

اکبرؑ شگفتہ ہوگئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

شاہ ایران رضا شاہ جو ایران کا فرمانروا تھا نے اپنے دور حکومت کے حالات کو کتاب ''شاہ کی شاہ بیتی'' میں تحریر کیا ہے۔ اس کتاب میں جہاں دیگر حالات کا تذکرہ کیا ہے وہاں چار معجزوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان معجزات میں سے ایک معجزہ جناب عباسؑ علمدار کے نام نامی سے منسوب ہے۔ شاہ ایران رضا شاہ کہتا ہے کہ ہم اپنے

دور اقتدار میں ایک دفعہ امام زادہ داؤدؑ کے مزار پر زیارت کی غرض سے جا رہے تھے جو ایک پہاڑ کے اوپر واقع ہے۔ جب ہم پہاڑی پر پہنچے تو چڑھائی کے دوران میں اپنے گھوڑے سے گر پڑا اور نیچے چٹانوں پر آپڑا۔

یہ منظر دیگر لوگوں نے بھی دیکھا وہ سب یہ سمجھے کہ رضا شاہ پہاڑ سے گرتا ہوا نیچے چٹانوں پر جائے گا اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ آپ کو کیا بتاؤں مجھ کو تو خراش تک نہیں آئی واقعہ یہ ہوا کہ میں جیسے ہی گھوڑے سے گرا مجھ کو جناب عباس علیہ السلام نے معجزہ کے طور پر سہارا دیا اور بڑے آرام اور اطمینان سے ایک چٹان پر روک دیا۔ اس طرح میری جان بچ گئی۔

(بحوالہ کتاب شاہ ایران کی شاہ بیتی صفحہ نمبر ۷۳۔ ناشر مکتبہ شاہ کار نیو کراچی)۔

۷

نمک ریت میں تبدیل ہو گیا

علیؑ کا دبدبہ، جعفرؑ کی سطوت، عزم شبیریؑ
دبیں گے خاک رؤباہوں سے یہ مشک و علم والے

(محسنؔ اعظم گڑھی)

ترکوں کی حکومت جب عراق پر تھی یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے کہ ان دنوں نمک کی برآمد پر غیر معمولی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ایک غریب عرب نمک لے کر کسی دوسرے ملک سے عراق آیا۔ چونگی کے افسروں اور سپاہیوں نے اس غریب عرب کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران یہ روضہ ابوالفضل العباسؑ تک باتوں باتوں میں پہنچ گیا۔

عرب نے نمک کو حضرت عباس علیہ السلام کی ضمانت میں دے دیا۔ اور سپاہیوں سے کہا کہ اس کو اتار کر دیکھو۔ سپاہیوں نے نمک اونٹوں سے اتارا تو کیا دیکھتے ہیں کہ

تھیلوں میں ریت بھری ہے۔ سپاہی یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے اور اس غریب عرب کو چھوڑ دیا اور وہاں سے چلے گئے۔ سپاہیوں کے جاتے ہی نمک اصلی شکل میں آ گیا۔ اس واقعہ کی عراق میں کافی شہرت ہوئی۔ اس محل پر ابراہیم خلیلؑ اللہ یاد آتے ہیں جن کے لیے ریگ صحرا آٹا بن گئی تھی۔ وہ نبی تھے اور یہ علمدار سبط رسول
(بحوالہ کتاب العبد الصالح از مولانا آغا مہدی لکھنوی)

۸

حضرت عباسؑ کی جھوٹی قسم کھانے والے کو فوراً سزا مل گئی

علم عباسؑ کا دل سے لگائے جس کا جی چاہے
لہو میں ڈوب کر بھی مسکرائے جس کا جی چاہے

بحوالہ کتاب سفینہ حیات صفحہ ۴۴۶ (جز۔ا) کے حوالہ سے مولانا آغا مہدی لکھنوی نے حضرت عباس علمدارؑ کا ایک معجزہ تحریر کیا ہے۔ ۲۱ مارچ ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے کہ کچھ لوگ ایک عرب کو حرم حضرت عباس علیہ السلام میں لائے اور کہا کہ تم اب حضرت عباس علیہ السلام کی قسم کھا کر کہو تم نے ایک دینار نہیں لیا ہے۔

اس شخص نے قسم کھائی کہ میں نے ایک دینار نہیں لیا۔ اُسی وقت ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر پڑا۔ سارے لوگ حیران رہ گئے جھوٹی قسم کھانے کی سزا فوراً مل گئی۔ اور بحالت خراب اس شخص کو روضہ مبارک سے نکال دیا گیا۔ اس قسم کا انتباہ بالکل برمحل ہے اگر صاحب مزار کی طرف سے چشم پوشی ہو تو وقار شہداء گھٹتا ہے اور بڑھتی ہوئی جرأت سے نظام زندگی میں خلل پیدا ہوگا اور حرمت بھی برباد ہوتی ہے۔

۹

علم مبارک حضرت عباسؑ علمدار کا معجزہ

بھائی نے جس کے لے کے علم جوش جنگ میں
اتنا کیا بلند کہ طوبیٰ بنادیا
(مولانا قیس زنگی پوری)

بھرت پور مشرقی راجپوتانہ بھارت میں ایک ریاست ہے۔ یہاں پر جاٹ خاندان کی حکومت تھی، مسلمان بہ اعتبار قابلیت اعلیٰ اور ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے۔ خصوصاً سادات کو یہاں لوگ بڑی عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک دفعہ پوری ریاست میں ایک آفت اور مصیبت نازل ہوگئی جس نے ریاست کے تمام باشندوں کو پریشان کردیا۔ یہ آفت سادات کی وجہ سے دور ہوگئی جب سے سادات کی عزت میں اور اضافہ ہوگیا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے۔

برسات کے پورے موسم میں بارش نہیں ہوئی

۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے کہ ریاست بھرتپور میں برسات کے پورے موسم میں بارش نہیں ہوئی جس کی وجہ سے باشندگان ریاست قحط کے خطرے سے سخت پریشان ہوگئے۔ اہل ہنود نے ریاست کے اخراجات پر "ہون" (ہندوؤں کی دعا) کرائی لیکن نہ ایک قطرہ بارش ہونا تھی نہ ہوئی۔ اس کے برخلاف سبز رنگ کے ٹڈے فضا اور زمین پر نظر آئے۔

ہندو مذہب کی ایک مخصوص عبادت اور شب بیداری (اکھنڈ کیرتن) بھی مسلسل تین شب و روز جاری رہی اور راجہ اندر کو جو اہل ہنود کے مطابق بارش کا دیوتا ہے بید مارے گئے لیکن تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ مایوسی ان کے چہروں سے آشکار تھی۔

اسی طرح ریاست کے اہلسنت حضرات نے نماز جمعہ کے بعد بارش کے لیے

دعائیں مانگیں اور عیدگاہ میں نماز استسقاء ادا کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

جلوس علم حضرت عباسؑ علمبردار

آخرکار اہل تشیع حضرات نے ریاست کے صدر مسٹر "ہین کاک" سے جلوس علم مبارک حضرت عباس علیہ السلام مقامی کربلا لے جانے کی اجازت چاہی۔ جو منظور ہوئی لہٰذا ۲۹ اگست مطابق ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ کو یکشنبہ تھا۔ چلچلاتی دھوپ اور جھلسا دینے والی لو چل رہی تھی۔ پنڈتوں اور جوتشیوں نے ۲۹ اگست کے متعلق پیشنگوئی کی تھی کہ اس دن بارش کا قطعی امکان نہیں ہے اسی لیے شہر کے تمام شیعہ حضرات نے محلّہ گھیر سید صاحب محلّہ بدہ کی ہاٹ اور محلّہ ندیا سے دن کے دو بجے حضرت عباس علمدارؑ کا علم جلوس کی شکل میں برآمد کیا اور کربلا کی جانب جو شہر سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا روانہ ہوئے۔

جلوس کے شرکا نوحہ خوانی کرتے، سینہ زنی کرتے ہوئے بازار کے مخصوص مقامات سے گزرے۔ جب جلوس شہر پناہ کی حدود سے نکل گیا تو باد مخالف شدت سے چل پڑی لو کے تھپیڑوں نے شدت اختیار کرلی لیکن اہل جلوس بے نیازی کے ساتھ ماتم کرتے ہوئے کربلا کی سمت رواں تھے۔ اس طرح یہ جلوس کربلا میں شام کے چھ بجے پہنچ گیا۔

جب تک بارش نہیں ہوگی۔ ماتم نہیں ختم نہیں ہوگا

جونہی جلوس کربلا پہنچا۔ ہوا رک گئی۔ ماتمی دستہ اس مقام پر جہاں میتیں دفن ہوتی تھیں جمع تھا اور نصف گھنٹہ سے ماتم حسین علیہ السلام میں مشغول تھا۔ ہائے عباسؑ یا عباسؑ کی صدا سے کربلا کی زمین لرزہ براندام تھی۔ معززین نے اعلان کیا کہ جب تک بارش نہیں ہوگی ہم سیدہؑ کے لالؑ کا ماتم اسی طرح کرتے رہیں گے اور ماتم کو ختم نہیں کریں گے۔

باران رحمت

بزرگ حضرات دعاؤں میں مشغول تھے، جوان ماتم کررہے تھے کہ یکا یک

بھرتپور کے شمال میں بھورے رنگ کی گھٹا نظر آئی جو چشم زدن میں پوری ریاست پر محیط ہوگئی اور پھر موسلادھار بارش شروع ہوگئی۔ یہ نظارہ قابل دید تھا۔ جتنی شدت سے بارش ہو رہی تھی۔ مومنین اسی جوش وعقیدت کے ساتھ ماتم کر رہے تھے۔ یہ بارش اس قدر خنک اور سرد تھی کہ بہت سے بچے اور ضعیف العمر اشخاص اس کی تاب نہ لا سکے اور کانپنے لگے۔ ہر چہار طرف پانی ہی پانی تھا۔ جے ایچ انفنٹری کے افسران نے جو کوٹھی موتی جھیل میں مقیم تھے۔ متاثرین کو کمبل اور آگ فراہم کی اور انہوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ شیعوں کے دیوتا کائنات پر پورا پورا تصرف رکھتے ہیں کیونکہ وہ خدائے بزرگ و برتر کے مطیع اور اس کے احکامات کی پوری پوری پابندی فرماتے تھے اور اپنی زندگیاں اس کی راہ میں قربان کردی ہیں۔

بارش ختم ہونے پر جلوس کربلا سے واپس ہوا تو شہر کی سڑکوں پر اب بھی پانی بہہ رہا تھا۔ دوکاندار بلالحاظ مذہب وملت شرکاء جلوس کو شہر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر دوکانوں سے اتر پڑے اور ایک ہندو بنیے نے دوسرے بنیے سے بآواز بلند کہا لالہ دیکھ یہ ہیں جو پیاسے سے پانی مانگنے گئے تھے اور پیاسے نے بھی ایسا پلوں دھار پانی برسایا کہ مزہ آ گیا۔ اس طرح وہ شیعوں کے اماموں کی عظمت واختیار کے قائل ہوگئے۔

اس سال میں صرف یہی ایک بارش ہوئی جو پورے سال کی ضرورت کے لیے کافی ثابت ہوئی اور ریاست کو قحط سے بچالیا۔ صدر ریاست مسٹر ہین کاک اور والی ریاست مہاراجہ برج اندر سنگھ اور اعلیٰ حکام بہت متاثر ہوئے اور بارش کی برکت کے لیے شیعہ حضرات کے ممنون ہوئے۔

دوسرے دن شیعہ حضرات نے کربلا میں بڑی زبردست مجلس منعقد کی جس میں تمام شہر کے لوگوں نے شرکت کی۔ یہ تھی غازی عباسؑ علمدارؑ کی غیبی مدد جس نے ریاست میں شیعوں کی عزت رکھ لی (صلوٰۃ برمحمد وآل محمد علیہم السلام)۔

بحوالہ کتاب تاریخ ظلم گنج شہیداں۔ صفحہ نمبر ۲۰ تا ۲۲ از فیض بھرت پوری۔

۱۰

ترکی فوج کے سپاہی کو اس کی گستاخی کی سزا فوراً ملی

بازو جو کٹ گئے ہیں تو عباسؑ ہیں نڈھال
آنکھیں ہیں بند مشک کا تسمہ دہن میں ہے
(عبدالودود شمس)

مولانا آغا مہدی صاحب اپنی کتاب سوانح حضرت عباسؑ علمدار صفحہ ۲۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے چچا عالی جناب سید ابوالحسن صاحب پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنو نے کربلائے معلیٰ کا ایک واقعہ بتایا کہ ۱۳۲۷ھ کے حدود میں ترکی کی فوج عراق میں آئی۔ ایک فوجی آلات حرب کے ساتھ روضہ امام حسین علیہ السلام میں داخل ہونے لگا۔ خدام نے منع کیا کہ آپ یہ ہتھیار اتار دیجیے پھر روضہ کے اندر جائیے۔ لیکن یہ سپاہی نہ مانا، بلکہ ہتک آمیز الفاظ میں کچھ فقرے ادا کیے جس کا مطلب یہ تھا کہ صاحبان مزار مشت خاک ہیں اور رعب کے ساتھ روضہ امام عالی مقام میں داخل ہوا۔

ابھی وہ دروازے کے اندر داخل ہی ہوا تھا کہ اس مغرور شخص کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ پڑا جس سے اس کا منہ پھر گیا اور جو پستول کمر میں وہ لگائے ہوئے تھا اس سے ازخود گولی چلی۔ گولی کی آواز نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ یہ سپاہی زخمی ہو کر زمین پر گرا لوگ اس کو اٹھا کر حرم سے باہر لے گئے۔ اس وقت خون اس کے جسم سے جاری تھا اور تھوڑی دیر کے بعد واصل جہنم ہو گیا۔

اس کی موت پر خدام اور اہل علم کو حیرت تھی کہ امام مظلوم کے روضہ میں ایسا پرہیبت واقعہ کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ اسی شب میں خدام اور اعلم وقت کو بشارت ہوئی کہ وہ

بے ادب سپاہی حرم مبارک میں داخل ہورہا تھا اس وقت بھائی کی خدمت میں بھائی حاضر تھا۔ یعنی مولا عباسؑ روضہ مبارک امام حسین علیہ السلام پر حاضری دینے آئے ہوئے تھے۔ آپ اس کی گستاخی برداشت نہ کرسکے فوراً اس کو اس کی نازیبا حرکت پر سزا دے دی۔

بھائیو! ہم کو معلوم ہونا چاہیے کہ واقعہ کربلا کے وقت ناصران حسینؑ نے کبھی دشمن کو امامِ عالی مقام کی خدمت میں آلات حرب کے ساتھ آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جب کبھی کوئی شخص امامؑ کے پاس آتا تھا تو یہ جان نثار فوراً اس کے ہتھیار اس کے جسم سے جدا کردیتے تھے پھر کہیں جاکر وہ شخص امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوسکتا تھا۔ بھلا آج عباسؑ اس روایت کو کس طرح توڑ دیتے جبکہ آپ مظلوم کربلا کے روضہ میں زیارت امامؑ کے لیے آئے تھے پھر اس گستاخ کو کیسے چھوڑ دیتے؟

عباسؑ کی وفا کوئی پوچھے حسینؑ سے

۱۱

حملہ آوروں نے کہا بلاؤ اپنے عباسؑ کو کہاں ہیں آکر مدد کریں

دریائے وفا کے شناور ہیں عباسؑ
لاکھوں میں ہیں بے مثل دلاور عباسؑ
ٹل جائے ہر ایک بلا بہ فیضِ شبیرؑ
ہو جائیں اگر کسی کے یاور عباسؑ

(مولانا سید اختر علی مرحوم)

کراری ضلع الہ آباد یوپی بھارت میں سادات کی ایک مشہور بستی ہے اسے عہد

دریینہ میں سید حسام الدین نے جو کہ جناب امام محمد تقی علیہ السلام ابن حضرت علی الرضا علیہ السلام کی اولاد سے تھے ۱۴۷ھ میں جنگل کاٹ کر آباد کیا تھا۔ سید حسام الدین صوبہ متھرا کے گورنر تھے۔ اور بعد میں کمانڈ انچیف مقرر ہوئے تھے۔ ان کی تقریباً تمام اولاد ہمیشہ زمیندار رہی ہے۔ علم وفضل اور شجاعت وسخاوت ان کی نسل کا خاصہ ہے۔ ان کی اولاد میں سید اعظم علی بھی گزرے ہیں جو صوبہ مونگیر کے گورنر تھے۔

علامہ قاری سید امیر حسن جیسی قابل ترین ہستی کا تعلق بھی اسی علاقے سے تھا۔ آپ ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ حکومت میں عہدہ قضا پر فائز تھے۔ سید حسام الدین کی اولاد نے بڑا عروج پایا جو بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوا۔ اس بستی میں سادات کے علاوہ دیگر مسلمانوں اور ہندوؤں کی بھی آبادی ہے لیکن سادات کا گھرانہ ہمیشہ ان سب لوگوں پر حکومت ہی کرتا رہا۔

اس علاقہ میں غیر سید اور غیر شیعہ کبھی بھی زمینداری حاصل نہیں کر سکے۔ مسلمانوں کی تمام آبادی سادات کے خدمت گار کی حیثیت سے آباد رہی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہاں دیگر لوگوں نے بھی زمینداری حاصل کرلی۔ جس کی بنا پر ان کے ملاؤں نے علاقے میں بدامنی پھیلانی شروع کردی، مذہبی اختلافات کو ہوا دینا شروع کیا اور علاقے میں ایسی کیفیت پیدا کردی کہ ہر دم مسلمانوں کے دونوں فرقے ایک دوسرے سے برسر پیکار رہنے لگے۔

بعض اوقات یہ ملاّ ایسی کیفیت پیدا کردیتے تھے جس کی وجہ سے فسادات رونما ہو جاتے تھے۔ اکثر بلوے بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان مذہبی اختلافات نے اتنا زور پکڑا کہ ۱۹۲۳ء میں ایک زبردست بلوہ ہوگیا جس کی مکمل روئیداد کتاب، بلوہ کراری ۱۹۲۵ء مصنفہ سید ریاض حسین (مرحوم) قلمی میں پڑھی جاسکتی ہے۔

اس کے علاوہ اس عظیم بلوہ کے سلسلے میں فخر ملت عالی جناب سید ارتضٰی حسین صاحب سابق ناظم شیعہ مشن پرگنہ کراری ضلع الہ آباد تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۹۲۱ء میں

جبکہ خلافت کمیٹی کا ہندوستان میں زور تھا ذمہ داران خلافت کمیٹی الہ آباد نے چاہا کہ شیعان کراری کو اپنے میں جذب کرلیں لیکن شیعہ کلیتاً اس سے علیحدہ رہے اور ان کی تمام ترغیبوں اور ترکیبوں کے باوجود وہ ان میں شامل نہ ہوئے۔

جس کے ردعمل میں انہوں نے شیعہ سنی فساد کرانا ضروری سمجھا اور اس کے لیے انہوں نے تبرا کو بہانہ قرار دیا اس طرح شہر میں بلوہ کرانے کی سعی کی لیکن اس زمانہ میں محسن علی سب انسپکٹر (سنی مذہب) جو کہ تھانہ منجھن پور میں تعینات تھے بغرض انتظام کراری تشریف لائے اور واپسی پر جاکر انہوں نے جنرل ڈائری میں رپورٹ درج کی کہ:

''کراری کے سنی شیعہ حضرات میں کشیدگی ہے اور کچھ اہلسنت انہیں آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔ میں نے اپنی حکمت عملی سے امسال فساد نہیں ہونے دیا۔ تاہم کنجڑوں اور جولاہوں نے جو اپنا تعزیہ شیعوں کے ساتھ مل کر اٹھاتے تھے امسال نہیں اٹھایا ہے اور اس سلسلے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ آئندہ سال حالات کیا صورت اختیار کرتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ شیعوں کے گلی کوچہ میں تبرا (تبرا سے مراد دشمنان آل محمدؐ اور قاتلان امام حسین علیہ السلام سے اظہار بیزاری ہے۔ نہ کہ کسی فرقہ کے بزرگوں کو برا بھلا کہنا ہے) کی وجہ سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہے لیکن یہ امر بھی قطعی اور یقینی ہے کہ یہ عمل قدیم الایام سے ان لوگوں میں جاری ہے''۔

محسن علی کے تبدیل ہونے کے بعد گنگا دھر راؤ انسپکٹر اور یاد رام سنگھ سب انسپکٹر تعینات ہوئے ان لوگوں نے گاؤں کے چند باسیوں کا دفعہ نمبر ۱۱۰ میں چالان کرکے شیعوں کی گواہی چاہی۔ شیعوں کے مسلمہ لیڈر جناب سید مظاہر حسین صاحب امیر صدر نے شیعہ گواہ گزارنے سے بالکل انکار کردیا۔ جس کی وجہ سے وہ جل بھن گئے اور انہوں نے کہا کہ اب ہم جو کچھ کریں اس کی شکایت نہ کیجئے گا۔

سال گزشتہ کے محرم کی رپورٹ تھانہ میں موجود تھی اس میں ان لوگوں نے عبداللہ

خان، نائب تحصیلدار منجھن پور کے مشورے سے نہ جانے کیا تغیر کردیا کہ اس رپورٹ پر حاکم ضلع نیوبلی (انگریز) سپرنٹنڈنٹ پولیس نے حکم جاری کردیا کہ امسال منجھن، موئی اور کراری میں ۱۰ محرم کو تبرا (یعنی قاتلان حسین علیہ السلام اور دشمنان آل محمدؐ کو برا) نہ کہا جائے۔

یہ حکم ۸ محرم ۱۳۴۱ھ کو کراری پہنچا حالانکہ اس سے قبل کی تاریخوں میں ۵،۶ اور ۷ محرم کو جلوس ذوالجناح و تابوت میں تبرا ہو چکا تھا۔ اس حکم کے خلاف جناب کلکٹر صاحب کے روبرو درخواست دی گئی۔ اس پر مسٹر گوپی ناتھ ڈپٹی کلکٹر کراری آئے اور انہوں نے ہمارے حقوق کو تسلیم کرلیا اور حکم صادر فرمایا کہ خاموشی کے ساتھ آپ شیعہ حضرات دشمنان آل محمدؐ اور قاتلان حسین علیہ السلام کو برا بھلا کہہ سکتے ہیں لیکن لفظ خاموشی کو اہل تشیع نے ماننے سے انکار کردیا اور احتجاجاً جلوس اور تعزیہ نکالنے سے انکار کردیا۔

اس کے نتیجے میں دو ماہ آٹھ دن تک تمام تعزیئے امام رکھے رہے۔ اسی دوران شیعہ اکابرین نے اس حکم کے خلاف مقدمہ دائر کردیا۔ اور ثبوت دعوے کے طور پر اہل ہنود اور اہلسنت حضرات کو پیش کردیا۔ بالآخر ضلع مجسٹریٹ نے شیعوں کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اور ان لوگوں کو بآواز بلند دشمنان آل محمدؐ اور قاتلان حسینؑ کو برا بھلا کہنے کی اجازت مل گئی۔

فیصلہ کے وقت عدالت میں مولوی ولایت حسین اور باقی خان اہلسنت کی طرف سے موجود تھے۔ ان کی زبان سے جہاد کا لفظ نکل گیا جس پر حاکم سخت برہم ہوا اور سپرنٹنڈنٹ کو مکمل انتظام کا حکم دیا۔ بالآخر ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء مطابق ۸ ربیع الاول کو بڑی شان وشوکت سے اور بڑے جوش وخروش سے تعزیئے اٹھائے گئے۔

اس موقع پر دیگر ضلعوں سے بھی اہل تشیع حضرات زیارت کے لیے شریک ہوئے۔ شہر کے برادران اہلسنت نے مقدمہ ہار جانے کے بعد فیصلہ کیا کہ اب شیعہ

حضرات کو تباہ و برباد کردیا جائے گا۔ اہلسنت کے مسلک سے تعلق رکھنے والے حکام اور رؤسا نے کراری آ کر بار بار میٹنگس کیں اور تمام کنجڑوں، کباڑیوں، جولاہوں، نائیوں، کاسہ گروں، نانبائیوں، دھوبیوں اور بہشتیوں کو ابھار کر پہلے شیعہ حضرات کا بائیکاٹ کرایا پھر ایک زبردست بلوہ کرایا۔

یہ بلوہ ۶ رمضان المبارک مطابق ۲۴ اپریل ۱۹۲۳ء بوقت ۷ بجے صبح رپورٹ کے مطابق ایک مجلس کے حوالے سے ہوا۔ یہ بلوہ پوری تیاری کے ساتھ کیا گیا۔ اسکا آغاز اس طرح ہوا کہ تقریباً دو ہزار افراد رات کے وقت کراری اور اس کے اطراف کے قصبوں سے آ کر ایک مخصوص مقام پر جمع کیے گئے اور چھیڑ چھاڑ کے لیے دس افراد رات ہی کو میر مظاہر حسین صاحب رئیس کے مکان کی طرف سے شور وغل کرتے ہوئے گزرے۔ انہوں نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ ان سرکشوں کو پکڑ لاؤ چنانچہ سب میر صاحب کے پاس حاضر کیے گئے اور معافی مانگ کر چلے گئے لیکن میر صاحب کے دروازے کی حدود سے نکل کر گالیاں دیتے ہوئے بھاگ گئے۔

اس واقعہ کی اطلاع میر صاحب نے سید فیض محمد صاحب محلہ شریف آباد کو رات ہی میں کرادی۔ لیکن اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ مگر جب صبح کو گھیر کا پرانے امام باڑے کے میدان میں بلوائی لوگ آ پہنچے تو سید موسیٰ رضی صاحب دوڑے ہوئے محلہ شریف آباد پہنچے۔ اور سید سبط حسن صاحب سے کہا کہ جلدی سے امام باڑے کی طرف چلو بندوق ساتھ لے لو حملہ آور آ گئے ہیں۔ الغرض ادھر سے شریف آباد تلمیا کے لوگ وہاں پہنچ گئے اور دیگر حضرات بھی ادھر اُدھر سے آ گئے۔

بلوائیوں نے تین طرف سے ان مختصر سے لوگوں کو جن کی تعداد ۲۴، ۲۵ سے زیادہ نہ تھی گھیر لیا جن میں بعض مومنین کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

جناب سید محمد اختر، سید فیض محمد، سید سرور حسین، سید رونق حسین، سید ریاض حسین، سید ارتضیٰ حسین، سید سلطان حسین، حسن رضا، سید ظہیر حسن، سید اظہر حسن، سید کاظم

حسین، عالم علی عُرف بدّا، سید کرم حسین، سید سبط حسن، سید موسیٰ رضا، سید نظیر العباس، سید سبط حسن، سید واحد حسین، سید فدا حسین، میر صدر سید آباد حسین، سید نذر عسکری، سید بشارت حسین، سید ظہیر عباس وغیرہ۔

بلوائیوں نے ان بنی فاطمہ کو گھیر کر پہلے ایک مسجد کی اینٹیں نکال کر خشت باری کی اور اس شدت سے خشت باری کی کہ کہنہ مسجد اپنی بیخ وبُن سے ختم ہو گئی۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر لاٹھیوں سے حملہ کیا۔ اب کیا تھا۔ فرزندان فاطمہؑ پوری جرأت کے ساتھ میدان میں کود پڑے اور اس دلیری کے ساتھ لڑے کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔

ان حیدری شیروں نے تین بار بلوائیوں کو امام بارگاہ کے اطراف سے بھگا کر کربلا کے قبرستان تک پہنچا دیا۔ بالآخر مولوی عبدالستار جو کہ ان کا لیڈر تھا اس نے واپس آتے ہوئے راستہ میں حلف اٹھایا کہ اس حملہ میں سب کا خاتمہ کر دوں گا اور مظاہر حسین کا سر لاؤں گا۔ الغرض شکست خوردہ پھر واپس آئے اور لاٹھیوں سے جنگ شروع کر دی۔

اس جنگ میں سید محمد اختر، سید سرور حسین اور سید ظہیر حسن بہت زیادہ زخمی ہو گئے تھے۔ بالآخر سید بشارت حسین صاحب نے سید محمد اختر کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے مکان کے چبوترے پر چڑھالیا اور ان سے کہا کہ یہاں بیٹھ کر بندوق سے فائر کرو۔ مولانا نجم الحسن کراری صاحب مرحوم اور ڈاکٹر سید ناصر حسین جو کہ اس وقت نہایت کمسن تھے اس چبوترے کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔

مولانا نجم الحسن صاحب کراری مرحوم کا بیان ہے کہ بھائی محمد اختر کے جسم سے اس درجہ خون نکل چکا تھا کہ وہ بندوق چلاتے وقت اونگھ جاتے تھے اور سید بشارت حسین صاحب جھنجھوڑتے اور چونکاتے تھے اسی دوران میں ایک اینٹ کوٹھے پر سے آکر انگوٹھے پر لگی اور بندوق زمین پر گر گئی۔ سید بشارت حسین صاحب نے پھر بندوق اٹھا کر دی اور سید محمد اختر نے سنبھل کر فائر کیا تو ایک کھنا نامی جولاہا زمین پر گرا۔ اس کے لڑکے نے بڑھ کر حملہ کرنا چاہا تو محمد اختر نے دوسرا فائر کر دیا۔ جس سے وہ بھی گر پڑا۔

ادھر ایک بڑے گروہ نے تھوڑے سے آدمیوں کو گھیرے میں لے کر مار ڈالنا چاہا۔ اسی دوران میں سید فیض محمد کے سر پر سولہ لاٹھیاں پے در پے لگیں اور وہ گر پڑے اتنے میں ان کے منجھلے لڑکے سید نذیر العباس ان کے اوپر لیٹ گئے تاکہ مزید زخم ان کے نہ لگنے پائیں۔ اسی دوران میں مولوی عبدالستار ایک موٹا ڈنڈا لیے ہوئے ان کے قریب پہنچ گیا اور اس نے چاہا کہ ایک ہی وار سے فیض محمد صاحب کی زندگی کا فیصلہ کردے ساتھ ہی اس کے منہ سے یہ نکلا:

''بلاؤ عباسؑ کو کہاں ہیں آ کر مدد کریں''

یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلنا تھے کہ عالم علی بدا جو کہ سید انصار حسین کے دالان کے ایک کھمبے میں بندوق لیے چھپے تھے۔ ان کے کان میں کسی نے کہا فائر کردو۔ وہ فوراً نکل پڑے اور اس کے سینے پر فائر کرتے ہوئے کہا۔

''یہ آئے حضرت عباسؑ''

اس کے ادھر گولی لگی ادھر سید محمد اختر نے دوسرے پر فائر کیا ہی تھا کہ بھگدڑ مچ گئی۔ اس کے بعد لوگ زخمیوں کو اٹھا کر میر مظاہر حسین صاحب امیر صدر کے مکان پر لائے۔ سید فیض محمد صاحب جو کہ مولانا نجم الحسن کے والد تھے انہیں مولانا کے نانا مظاہر حسین اور پھوپی زاد بھائی سید محمد اختر پکڑ کر گھر لے گئے اسی دوران میں بلوائیوں نے مولوی سید محمد عباس صاحب کو ان کے گھر پر جا کر قتل کر دیا۔

اس کے بعد سید رونق حسین صاحب نے منجھن پور میں جا کر رپورٹ درج کرائی، پولیس آ گئی اور گرفتاریاں شروع ہوگئیں ۴۱ شیعہ اور ڈیڑھ سو دیگر افراد گرفتار ہوئے۔ ان لوگوں کو پہلے حوالات میں پھر جیل میں پہنچا دیا گیا اور مقدمہ چلنے لگا۔ کچھ شیعہ لوئر کورٹ سے چھوٹے کچھ سیشن سے۔ ۲۸ شیعوں کو کالا پانی اور میر سید مظاہر حسین صاحب امیر صدر سید محمد اختر اور عالم علی کو سزائے موت کا حکم سیشن عدالت نے سنایا۔ جس کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی۔

۱۹ مارچ ۲۴ء کو میر مظاہر حسین بے داغ بری ہوئے اور عالم علی کو ایک سال کی سزا

ہوئی اور محمد اختر کو ۱۴ سال کی سزا ہوئی کیوں کہ انہوں نے سب کے قتل کا ایک خواب کی وجہ سے اقبال کرلیا تھا۔ دس شیعوں کو ایک ایک سال کی سزا تجویز ہوئی۔ شیعوں کی طرف سے ہری موہن بیرسٹر اور مسٹر بوائے بیرسٹر کے علاوہ دیگر شیعہ وکلا نے وکالت کی جبکہ دیگر لوگوں کی طرف سے سیٹھ چھوٹا بھائی اور دیگر رؤساء ملک نے حصہ لیا۔

یہ مولا عباسؑ علمدار کی غیبی مدد تھی کہ اتنے زیادہ حملہ آوروں کو چند مومنین نے مار کر بھگا دیا اور بعض شر پسندوں کو ہمیشہ کے لیے سلا دیا۔ یہ مقدمہ جب چلا تو اس میں خصوصی طور پر مومنین کراری، مومنین پرگنہ اور یوپی ہندوستان کے اہل تشیع حضرات نے بھرپور حصہ لیا۔ جس میں حجۃ الاسلام شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ، والی ریاست رام پور، مولانا سید محمد دہلوی، راجہ منظور حسین انبالہ، ٹھاکر ستیلا بخش سنگھ مینجر ریاست ٹانڈہ، مولوی حیدر مہدی، وکیل ظفر مہدی بیرسٹر، بیرسٹر نواب مہدی حسن لکھنوی، تفضل حسین جونپور، ڈاکٹر سید جعفر حسین کراروی (ڈی لٹ) لندن، چوہدری غلام حیدر منجھن پور، سید محمد عباس موئی، سید محمد یعقوب کراروی، سید امیر الاعظیم، محمد مظہر سید، سید علی اصغر، سید ضمیر الحیدر، سید وصی حسن قابل ذکر ہیں۔

(بحوالہ ذکر العباس علیہ السلام از مولانا سید نجم الحسن کراروی صاحب مرحوم)

۱۲

سونے کا طوق خود بخود گلے سے نکل کر چھت سے لگ گیا

سقاء حرم جب قتل ہوا خیموں میں اداسی پھیل گئی
بچوں نے نہ پھر مانگا پانی گو ہاتھ میں خالی جام رہے
(قرار لکھنوی)

کتاب موسع الغموم صفحہ نمبر ۴۳ تا ۴۵ سن طباعت ۱۲۹۳ھ لکھنو اور کتاب ذکر

العباسؑ از مولانا سید نجم الحسن کراروی مرحوم صفحہ ۳۴۸۔ کربلائے معلٰی کے رہنے والے سید عباس طباطبائی بیان کرتے ہیں کہ میں مشغول درس تھا کہ ایک روز ایک شور مچا کہ حضرت عباس علیہ السلام کے روضہ میں معجزہ ہوا ہے۔

یہ سن کر استاد محترم نے درس سے ہم لوگوں کو فارغ کر دیا۔ میں دوڑا ہوا روضہ حضرت عباس علیہ السلام پہنچا۔ وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ روضہ کے اندر بہت سے حضرات جمع ہیں، سب کے سب بالکل خاموش ہیں اور ایک عورت فرش پر بیہوش پڑی ہے۔

میں نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا معجزہ ہوا ہے اور اس عورت کو کیا ہو گیا ہے مگر کسی شخص نے کوئی جواب نہیں دیا سب کے سب بالکل خاموش کھڑے رہے۔ بہت دیر کے بعد ایک شخص نے چھت کی طرف اشارہ کیا تو میں نے دیکھا کہ ایک طلائی طوق ایک قندیل سے چپکا ہوا ہے اور قندیل حرکت میں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسی بیہوش عورت کے رشتہ دار آ گئے اور انہوں نے بڑی آہ و زاری کے ساتھ مولا عباسؑ کی خدمت میں فریاد کی۔ مشکل کشاء کے فرزند کو رحم آ گیا۔ عورت ہوش میں آ گئی دریافت کرنے پر اس عورت نے جو بیان دیا وہ سنیے۔

اس عورت کا بیان ہے کہ میرا لڑکا جو اس وقت میرے پاس بیٹھا ہے ایک بار علیل ہو گیا تھا اور میں نے منت مانی تھی کہ یہ طوق گراں جو میری گردن میں ہے اپنے لڑکے کی صحت پر نذر حضرت عباس علیہ السلام کروں گی۔ اب جبکہ میرے اس لڑکے کو کامل صحت مل گئی تو میں طوق ضریح مبارک حضرت عباس علیہ السلام پر چڑھانے کے لیے لائی تھی۔ ابھی طوق کو گلے سے اتارنے نہ پائی تھی کہ یک بیک یہ خیال پیدا ہو گیا کہ چونکہ یہ کافی وزنی اور قیمتی ہے۔ لہٰذا اس کے بجائے کچھ سونا چڑھاؤں گی میرے ذہن میں اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے ایک پرچھائیں سی دیکھی اس کے بعد میں بیہوش ہو گئی۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔

۱۳

حضرت عباس علیہ السلام نے لڑکے کے کٹے ہوئے بازو جوڑ دیئے

ہم چاند پر حسینؑ کا غم لے کے جائیں گے
عباسؑ نامور کا علم لے کے جائیں گے

کتاب حزن المومنین میں ہے کہ عرب وعجم کے دستور کے مطابق عباس آباد شہر میں مومنین نے یوم عاشورہ شبیہ حضرت عباس علیہ السلام بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے وہ ایک نیک قسم کے نوجوان کی تلاش میں تھے۔ چنانچہ ایک مرضی کے مطابق نوجوان نظر آیا۔ اس سے انہوں نے اپنے مقصد کو ظاہر کیا وہ بہت خوش ہوا اور شبیہ بننے پر تیار ہوگیا۔ الغرض اس کو شبیہ عباسؑ بنا کر انہوں نے مراسم غم ادا کیے۔ اس واقعہ کی اطلاع اس کے باپ کو ہوگئی جو سخت ترین ناصبی تھا۔

جب یہ نوجوان گھر گیا تو اس کے باپ نے واقعہ پوچھا۔ اس نے سب واقعہ سنایا۔

باپ نے پوچھا: کیا تو عباسؑ کو دوست رکھتا ہے؟

اس نے کہا: بے شک۔

یہ سن کر اس نے تلوار اٹھائی اور اس کے دونوں ہاتھ جدا کر کے کہا: لے۔ اب تو صحیح تصویر بنا ہے عباسؑ کی۔

وہ غریب اس صدمے سے زمین پر لوٹنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کی ماں سر پیٹتی ہوئی قریب آئی اور فریاد و فغاں کرتی ہوئی بولی کہ اے ظالم تو روز محشر رسولؐ خدا اور حضرت فاطمہ زہراؑ کو کیا جواب دے گا۔

اس نے کہا: کیا تو بھی ان لوگوں کو دوست رکھتی ہے؟

اس نے جواب دیا: کہ بے شک ان پر ہمارا ایمان ہے۔

یہ سن کر اس ظالم نے اس عورت کی زبان کاٹ دی اور اس کی آغوش میں بیٹے کو ڈال کر کہا: کہ جا قیامت کے دن تو اپنی بی بی فاطمہؑ اور عباسؑ سے شکایت کر کے مجھ کو عذاب میں مبتلا کر دینا۔

اس کے بعد ان دونوں کو گھر سے نکال کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ مومنہ اپنے لڑکے کو اپنے ہمراہ ہاتھوں اور کٹی ہوئی زبان سمیت ایک عزاخانہ میں چلی گئی اور اپنے بیٹے کو زیر منبر ڈال کر قریب بیٹھ کر محو گریہ وبکا ہوئی۔ صبح کے قریب چند بیبیاں سیاہ پوش ظاہر ہوئیں اور اس سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے زبان کے کٹنے کا حال ظاہر کیا۔

انہوں نے فرمایا غم نہ کر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان عورتوں میں سے ایک بی بی نے اس کی زبان کا ٹکڑا زبان سے ملا کر اپنا لعاب دھن لگا دیا وہ ٹھیک ہوگئی۔ اس کے بعد یہ بیبیاں جانے لگیں۔ اس مومنہ نے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہا:

کہ میرا لڑکا زیر منبر پڑا ہے اسے بھی درست کر دیجئے۔

انہوں نے فرمایا: کہ اس کو عباسؑ نے ٹھیک کر دیا ہوگا تو جا کر اپنے لڑکے کو دیکھ لے۔ یہ مومنہ فوراً اٹھ کر اپنے بیٹے کی طرف گئی۔ منبر کے پاس اس کا بچہ ٹھیک ٹھاک حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔

یہ مومنہ اسی وقت ان بیبیوں کے پاس آئی اور دریافت کیا:

کہ آپ بیبیاں کون ہیں۔ ان میں سے ایک معظمہ نے کہا: کہ میں حسینؑ کی دکھیاری ماں فاطمہؑ ہوں۔ اس کے بعد وہ بیبیاں نظروں سے غائب ہوگئیں۔

اس مومنہ کا بیان ہے کہ میں نے لڑکے سے پوچھا: کہ کیا واقعہ تیرے ساتھ پیش آیا، کس طرح تیرے ہاتھ ٹھیک ہو گئے؟

لڑکے نے کہا: میں عالم بیہوشی میں تھا کہ ایک نقاب پوش جوان میرے قریب

تشریف لائے اور مجھ کو مخاطب کر کے کہنے لگے: گھبرائیں نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔

اس کے بعد میرے ہاتھوں کو میرے جسم سے ملا کر کچھ فرمایا میرے ہاتھ فوراً ٹھیک ہوگئے میری تکلیف جاتی رہی۔ میں نے فوراً ان کا دامن تھام لیا اور ان کی خدمت میں عرض کی حضور آپ کون ہیں؟

انہوں نے فرمایا: میں ''عباسؑ'' ہوں۔

میں نے درخواست کی: کہ آپ اپنے دست مبارک دیجئے تا کہ میں بوسہ دے سکوں۔

حضور نے فرمایا: کہ میرے ہاتھ نہیں ہیں وہ کربلا کے میدان میں اسلام پر قربان ہوگئے۔ اس کے بعد وہ نظروں سے غائب ہوگئے۔

عباسؑ آبرو پہ بڑا حرف آئے گا
پانی پیا تو نام وفا ڈوب جائے گا

(راجہ محمود آباد)

۱۴

مشک سکینہؑ کو چھیدنے اور حضرت عباسؑ علمدار کے ہاتھ شہید کرنے والے اسحاق بن حویہ کا حشر

زندہ دل، شیر جری، روح وفا ہیں عباسؑ
ہر گھڑی شمع امامت پہ فدا ہیں عباسؑ
مرتے دم تک رہے پروانہ صفت شہ پہ نثار
تقویت تھی بھرے گھر کو کہ ابھی ہیں عباسؑ

(سید مختار عابدی برنی)

علامہ احسان تہرانی لکھتے ہیں کہ عبداللہ اہوازی کا بیان ہے کہ میں ایک دن

بازار میں جا رہا تھا کہ میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی کہ جس کا چہرہ متغیر اور مردہ صورت تھا۔ زبان خشک منہ سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ وہ عصا کے سہارے سے راستہ چل رہا تھا اور بھیک مانگتا پھرتا تھا۔ میں نے جونہی اسے اس حال میں دیکھا میرا بدن لرز اٹھا۔ میں اس کے قریب گیا اور اس سے پوچھا: تو کہاں کا رہنے والا ہے اور کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔

اس نے میری طرف توجہ کیے بغیر اپنی راہ لی۔ میں نے اسے قسم دے کر پوچھا کہ تو اپنا حال بتا کہ تیری شکل اتنی مکروہ کس طرح ہوگئی ہے کہ جس کو دیکھ کر کراہیت آتی ہے اور خوف آتا ہے۔ اس نے کہا بھائی میرا حال نہ پوچھو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے کہا کہ میں ہرگز نہ مانوں گا جب تک تو مجھ کو اپنے حال سے آگاہ نہیں کرے گا۔

اس نے کہا کہ اگر تم نہیں مانتے تو پھر پہلے مجھے کچھ کھلاؤ کیوں کہ بھوک کی شدت سے میرا حال بہت برا ہو رہا ہے۔ میں نہ تو کچھ بول سکتا ہوں اور نہ کچھ کہہ سکنے کی ہمت ہے۔ کھانا کھانے کے بعد میں اپنی غم آفریں داستان تمہیں سناؤں گا۔ میں اسے اپنے گھر لے گیا اور خوب اچھی طرح اس کی شکم سیری کرائی۔ جب اسے سکون ہوا تو اس نے اپنی داستان بیان کرنا شروع کی۔

اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم عمر بن سعد کو جانتے ہو میں نے کہا: جانتا ہوں۔ پھر میں نے اس سے کہا: کہ تیرا اس ملعون ازلی سے کیا واسطہ۔

اس نے کہا: کہ واقعہ کربلا میں، میں اس کا علمدار تھا اور میرا نام ہے اسحاق بن حویہ ہے اتنا کہنے پر اس کے منہ سے تارکول کی بو آنے لگی۔

پھر وہ کہنے لگا: کہ رزم گاہ کربلا میں عمر بن سعد نے مجھے نہر فرات پر تعینات کیا تھا اور مجھے حکم دیا تھا کہ امام حسینؑ کے لشکر میں کسی صورت سے پانی نہ پہنچنے دیا جائے۔ چنانچہ میں اس کے حکم کی تعمیل میں ہمہ تن متوجہ ہوگیا اور شب و روز پوری بیداری کے

ساتھ امام حسین علیہ السلام تک پانی پہنچنے کو روکتا رہا۔ حتی کہ میں نے اپنے لشکر والوں تک کو نہر فرات پر بلا اجازت جانے سے روک دیا تھا۔ کیوں کہ مجھے شبہ تھا کہ کہیں اُن میں سے کوئی خفیہ طور پر امام حسین علیہ السلام تک پانی نہ پہنچا دے۔

ایک شب کا واقعہ ہے کہ میں بہت پوشیدہ طریقہ سے امام حسین علیہ السلام کے ایک خیمہ تک جا پہنچا تا کہ ان کے ارادے معلوم کروں۔ میں چھپا ہوا بیٹھا ہی تھا کہ امام حسین علیہ السلام اور حضرت عباس علیہ السلام میں گفتگو کی آواز آنے لگی۔ اس بات چیت میں، میں نے یہ محسوس کیا کہ دونوں بھائی موجودہ حالات سے بے حد متاثر ہیں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا:

کہ اے بھائی مجھے اب اطفال میں پیاس کی بیتابی دیکھی نہیں جاتی اور نہ ان کے انتہائی پُر درد نالے سنے جاتے ہیں۔ میرے آقا اب تک دو خیموں کے اندر کنواں کھود چکا ہوں لیکن پانی دستیاب نہیں ہوسکا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: کہ عباسؑ اگر تم انسان نما لوگوں کے پاس جا کر پانی طلب کرو تو کیا ممکن ہے کہ وہ پانی دے دیں۔

حضرت عباس علیہ السلام نے عرض کیا: کہ مولا کئی بار ایسا بھی ہو چکا ہے جتنی مرتبہ گیا ہوں تیر و شمشیر کے سوا کوئی جواب نہیں ملا۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام بے حد متاثر ہوئے اور بے ساختہ رو پڑے۔

حضرت عباسؑ نے عرض کیا: مولا آپ متاثر نہ ہوں میں صبح کو ایک بار پھر سعی بلیغ کروں گا۔ اور ان شاء اللہ پانی حاصل کرلوں گا۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کو دعائے خیر دی۔

اے عبداللہ میں یہ تمام باتیں پس پردہ سن کر اپنی جگہ واپس گیا اور میں نے تمام واقعہ عمر بن سعد سے بیان کیا۔ پھر اس کے بعد بہت سے مددگاروں کو جمع کر کے اس وقت کا انتظار کرنے لگا جب کہ عباس ابن علی علیہ السلام کی آمد کی توقع تھی۔ اسے

عبداللہ جب صبح کا وقت ہوا اور کارزار کربلا شروع ہوگیا تو وہ موقعہ پیش آیا جس میں عباسؑ بن علیؑ امام حسین علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوکر طلب آب کے لیے نہر فرات کی طرف آئے وہ اس وقت شیر ببر کی طرح غضبناک تھے۔ ان کے نہر پر پہنچتے ہی سارے لشکر نے ان پر یکبارگی حملہ کردیا تیر بارانی کرنے والوں نے تیر برسائے۔ نیزہ باز نیزے مارنے کی سعی کرتے رہے۔

اے عبداللہ حضرت عباسؑ بن علیؑ پر اس قدر تیر مارے گئے کہ ان کا بدن ''ساہی'' کے بدن کی طرح ہوگیا اور جسم پر ان کے تیر ہی تیر نظر آنے لگے۔ مگر وہ بلا کے بہادر اور طاقت ور تھے انہوں نے اپنی ہمت پست نہیں ہونے دی بلکہ برابر آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ لشکر کو درہم برہم کرکے نہر فرات پر جا پہنچے اپنے گھوڑے کو نہر فرات میں ڈال دیا، چلو میں پانی لیا اور لشکر کی طرف کرکے دکھایا کہ

اے فوج یزید ملعون دیکھو تمہارے گہرے پہرے کے باوجود پانی ہماری مٹھی میں ہے لیکن ہم اس کو اس وقت تک نہیں پئیں گے جب تک میرے آقا حسینؑ اور ان کے بچے نہ پی لیں اور پانی کو دشمن کی طرف اچھال دیا۔

میں نے اس وقت پوری سعی کی کہ عباسؑ پانی نہ پی سکیں۔ میں نے لشکریوں کو حکم دیا کہ اب پوری توجہ سے کام کرو دیکھو اگر عباسؑ نے پانی پی لیا تو پھر ان سے کوئی بھی کسی صورت سے مقابلہ نہیں کرسکے گا۔

چنانچہ میرے لشکریوں نے پوری توجہ دی اور ان پر حملہ شروع کردیا وہ مشکیزے کو نہر سے بھر کر برآمد ہوئے اور حملوں کا جواب دینے لگے۔ اے عبداللہ وہ اس بہادری سے لڑ رہے تھے کہ ہم سب حیران تھے۔ لشکر چاروں طرف سے حملہ کر رہا تھا اور وہ سب کا جواب دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے لشکر کے ایک ازدی شخص نے جو ایک کمین گاہ میں چھپا بیٹھا تھا ایک ایسا وار کیا کہ حضرت عباس علیہ السلام کا داہنا ہاتھ بازو سے کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ اس وقت انہوں نے بڑی پھرتی کے ساتھ مشک و علم کو

بائیں ہاتھ سے سنبھالا اور جنگ کو جاری رکھا اور پوری بہادری سے کثیر افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اے عبداللہ ہماری تمام تر سعی اب یہ تھی کہ پانی خیمہ حسینؑ میں پہنچنے نہ پائے چناں چہ ہم سب ہی اسی سعی میں پوری طاقت کے ساتھ لگ گئے۔ ناگاہ مجھے موقع مل گیا اور میں ان کے قریب جا پہنچا اور نیزے کا ایک ایسا وار کیا کہ مشکیزہ چھد گیا۔ اب میں اس مقام سے دور جانا چاہتا تھا کہ حضرت عباسؑ نے مجھ پر حملہ کر دیا۔

میں نے اس کے جواب میں ایک ایسا وار کیا کہ ان کا بایاں ہاتھ گٹے سے کٹ گیا پھر ایک شخص نے بڑھ کر گرز آہنی سے ان کے سر کو شگافتہ کر دیا۔ دریں حالت وہ گھوڑے سے زمین کی طرف چلے اور انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو آواز دی۔ عباسؑ کی آواز سن کر امام حسین علیہ السلام ان کی طرف عقاب کی تیزی کی طرح نہایت سرعت سے پہنچے راستہ میں جو لوگ حائل تھے ان کو حملہ شمشیر سے دور کیا اور وہاں پہنچ کر عباسؑ بن علیؑ کی حالت دیکھی تو آپ رو پڑے۔

اے عبداللہ انہوں نے حضرت عباس علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے دونوں ہاتھ جسم سے جدا ہو چکے تھے اور ان کا سر شگافتہ تھا۔ بدن ٹکڑے ٹکڑے تھا۔ یہ دیکھ کر آپ کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی اور آپ رونے لگے۔ پھر امام حسینؑ زمین پر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنے بھائی کا سر اپنے زانو پر رکھا اور ان کے چہرے کا خون صاف کیا۔ پھر دونوں بھائیوں میں کچھ گفتگو ہوئی۔

جب حضرت عباس علیہ السلام کی روح پرواز کر گئی تو حضرت امام حسین علیہ السلام اٹھے اور انہوں نے ہمارے لشکر پر بھرپور حملہ کیا اور تہس نہس کر ڈالا۔ ہم لوگوں نے پورا مقابلہ کیا آخر میں شکست کھا کر ہم سب بھاگ نکلے اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نہر فرات پر گئے ہم نے یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں حسینؑ پانی نہ پی لیں ان کو پکار کر کہا کہ آپ پانی پینا چاہتے ہیں اور لشکر خیمہ گاہ میں گھس گیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً

خیموں کی طرف دوڑے وہاں پہنچ کر محسوس کیا کہ انہیں دھوکا دیا گیا ہے۔

عبداللہ اہوازی کہتے ہیں کہ میں نے جب اس واقعہ کو سنا تو خون پھڑ پھڑانے لگا اور مجھے اس قدر رنج پہنچا کہ میں اپنے قابو سے باہر ہو گیا اس کے بعد میں نے اسے ایک دوسرے مکان میں ٹھہرایا اور کہا کہ تو اس جگہ بیٹھ میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر باہر آیا اور ایک دوسرے دروازے سے اپنی شمشیر لے کر داخل ہوا۔

اس نے جب شمشیر برہنہ میرے ہاتھ میں دیکھی تو کہنے لگا کہ مہمان کے ساتھ کیا یہ سلوک مناسب ہے؟ میں نے کہا کہ امام حسین علیہ السلام بھی تو خود نہ گئے تھے ان کو بھی مہمان تم ہی لوگوں نے بلایا تھا۔ پھر ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا وہی مناسب تھا جو تم لوگوں نے انہیں مہمان بنا کر کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ قتل کے علاوہ کوئی اور سزا ممکن ہوتی تو میں تجھے وہی سزا دیتا یہ کہہ کر میں نے تلوار سے اس کا سر اڑا دیا اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کی نعش نذر آتش کر کے اس کی خاک ہوا میں اڑا دی۔

(بحوالہ کتاب دارالسلام طبع ایران و کتاب زندگی شہادت ابوالفضل ص ۵۳ طبع ایران)

عراق شرم میں کیونکر نہ رہے تر پانی
پھینکا عباسؑ نے چلو میں اٹھا کر پانی

۱۵

ماں کی پاک دامنی پر پیٹ کے بچہ نے گواہی دی

سچ کہنا جہاں میں کوئی اندھیر نہیں
سقائے سکینہؑ سا زبر شیر نہیں
شبیرؑ کے لشکر میں نہ کیوں پیش رہیں
عباسؑ کے تو نام میں بھی زیر نہیں

(باقر دہلوی)

ایک شخص کو اپنی زوجہ پر شک ہو گیا کہ یہ بچہ جو اس عورت کے پیٹ میں ہے اس شخص کا نہیں ہے بلکہ حمل کسی اور شخص کا ہے۔ باہمی نزاع نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ مرد اپنی بیوی کو قتل کرنے پر تیار ہو گیا۔ عورت نے کہا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں روضہ ابوالفضل العباسؑ علیہ السلام تک جاؤں۔ شوہر اس بات پر راضی ہو گیا میاں اور بیوی دونوں روضہ مبارک حضرت عباس علیہ السلام پر حاضر ہوئے۔

عورت نے بارگاہ ابوالفضل عباسؑ میں دعا کی مولا یہ بچہ جو میرے پیٹ میں جنم لے رہا ہے گواہی دے کہ یہ کس شخص کا ہے تا کہ میری بے گناہی ثابت ہو سکے۔

دل سے نکلی ہوئی سچی دعا اثر رکھتی ہے دعا بارگاہ ابوالفضل عباسؑ میں مستجاب ہوئی پیٹ کے بچہ نے اس مومنہ کی پاک دامنی کی گواہی دی۔

(صلوٰۃ محمد وآل محمد علیہم السلام پرؑ) اور مومنہ باعزت روضہ سے گھر واپس ہوئی۔ شوہر بہت شرمندہ ہوا اس نے اپنی بیوی سے معافی مانگی اور اس طرح جناب عباسؑ نے اس مومنہ کی جان بخشی کرادی۔

(بحوالہ کتاب زادالسلاق سفر نامہ عراق صفحہ نمبر ۶۲۔ سوانح عباسؑ دلاور از مولانا آغا مہدی لکھنوی صفحہ ۲۴۹)

۱۶

روضہ عباسؑ جہاں بیمار شفا پاتے ہیں

حضرت عباسؑ کو کب ہے سپر کی احتیاج
خود شجاعت جنگ میں سینہ سپر ہو جائے گی

(سید محمد کاظم جاوید)

شہر بمبئی بھارت کا تقسیم ہند سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک لکھپتی سیٹھ کا لڑکا کسی

موذی بیماری میں گرفتار ہو گیا۔ اس سیٹھ نے اس لڑکے کے علاج میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ سیٹھ کا یہ اکلوتا لڑکا تھا ہر وقت بیٹے کی صحت کے لیے فکرمند رہتا تھا۔ آخر بچہ کی بیماری سے مایوس ہو کر گھر میں بیٹھ گیا تو لوگوں نے کہا جہاں تم نے اس بچہ کے علاج پر اتنا روپیہ خرچ کیا ہے وہاں اس کو تم ملک عراق میں حضرت عباس علمدار علیہ السلام، فوج حسینیؑ کے روضہ مبارک پر جاؤ اور اپنے ساتھ اس بچہ کو بھی لے جاؤ۔ ان شاء اللہ یہ بچہ روضہ حضرت عباس علیہ السلام پر ضرور صحت یاب ہو جائے گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؑ باب الحوائج ہیں ان کے در پر جو پریشان حال اور مصیبت زدہ شخص جاتا ہے وہ اس کی دادرسی ضرور کرتے ہیں۔

سیٹھ اپنے بچے کو لے کر فوراً سفر عراق پر روانہ ہو گیا۔ عراق پہنچ کر روضہ حضرت عباس علیہ السلام پر حاضری دی اور اس بیمار بچہ کو مرقد اطہر کی جالیوں سے باندھ کر خود مسافر خانہ میں آ کر سو گیا۔ ابھی سوئے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک دربار لگا ہوا ہے، مولا علیؑ مسند پر تشریف فرما ہیں فریادیوں کی درخواست مولائے کائنات کی خدمت میں حضرت عباس علیہ السلام پیش کر رہے ہیں جناب امیر علیہ السلام ہر درخواست پر دستخط کرتے جاتے ہیں۔

آخر میں اس سیٹھ کے لڑکے کی درخواست پیش ہوئی۔ جناب امیر علیہ السلام نے کہا اس درخواست کو رہنے دو یہ بہت دیر سے آیا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ جناب عباسؑ مچل گئے اور اپنے بابا مشکل کشاء سے عرض کرنے لگے کہ بابا یہ زائر اور فریادی میرے روضہ پر آیا ہے اگر ناامید ہو کر چلا گیا تو پھر کون آیا کرے گا۔ آپ نے تو میرے دروازے پر باب الحوائج (حاجتوں کا گھر) لکھا ہوا ہے۔ اگر لوگوں کی حاجتیں پوری نہ ہوئیں تو بابا یہاں کون آئے گا۔ یا تو اس کی درخواست پر دستخط کر دیجیے یا آپ باب الحوائج کو مٹا دیجیے۔ مولا نے اس سیٹھ کی درخواست پر دستخط کر دیے۔

سیٹھ کہتا ہے کہ میری فوراً آنکھ کھل گئی کیا دیکھتا ہوں میرا لڑکا بالکل تندرست

خدام کے ساتھ مسافر خانے میں کھڑا ہے۔ میں بچے کو لے کر فوراً روضہ مبارک پر حاضر ہوا اور ہم باپ بیٹوں نے ضریح مبارک کا طواف کیا اور خوشی خوشی وطن واپس ہوئے (صلوٰۃ بر محمدؐ و آل محمد علیہ السلام)

بحوالہ سات معجزے صفحہ نمبر ۵۵ ناشر افتخار بک ڈپو۔ لاہور۔

۱۷

حضرت عباسؑ علمدار کی حاضری کی منت نے گونگے کو زبان دے دی

ہم پر نہ چلا زور زمانے پر کسی کا
جب نام لیا حضرت عباسؑ علی کا

محلہ لکڑ منڈی وزیر آباد پنجاب میں اہلسنت والجماعت کا ایک گھرانہ عاشق آل محمد علیہم السلام تھا۔ اس گھرانہ میں ایک جوان لڑکا اعجاز عرف پھالی کی زبان تشدد کی وجہ سے گونگی ہوگئی تھی جس کی وجہ سے وہ اشاروں سے بات چیت کرتا تھا۔ اس کے گھر والوں نے اعجاز کو ساتھ لے کر امام بارگاہ قاضی غالب علی شاہ (وزیر آباد) جا کر منت مانی کہ اس نوجوان کی زبان ٹھیک ہو جائے اور یہ گفتگو کرنے لگے تو ہم لوگ اس امام بارگاہ کی حاضری کریں گے۔

مورخہ ۱۱ محرم الحرام ۱۹۸۲ء کو اعجاز عرف پھالی کی زبان اچانک نعرہ حیدری یا علی مارنے سے بالکل درست ہوگئی پھر کیا تھا ان لوگوں نے پورے محلہ میں مٹھائیاں تقسیم کیں اور اعجاز عرف پھالی نے مذہب حقہ کو قبول کرلیا۔

(بحوالہ پندرہ روزہ العمران لاہور ۵ دسمبر ۱۹۸۳ء شمارہ ۵)

۱۸

لکھنو یوپی میں درگاہ حضرت عباسؑ کی معجزاتی تعمیر

نہ لشکرے نہ سپاہے نہ کثرت الناسے
نہ قاسمؑ نہ علی اکبرؑ نہ عباسؑ

قدیم لکھنو کے غربی حصہ میں ایک محلّہ ہے جس کا نام رستم نگر ہے یہاں پر ایک مقدس عمارت ہے جو درگاہ حضرت عباسؑ علمدار کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب ہے۔شیعی دنیا کے بیشتر افراد لکھنو پہنچنے پر یہاں کی زیارت کو جانا باعث فخر سمجھتے ہیں۔

اس عمارت کی بنیاد مرزا فقیر بیگ نے اس دور میں رکھی تھی جب نواب مرزا یحییٰ خان عرف مرزا امانی ملقب بہ نواب آصف الدولہ ہزبر جنگ فیض آباد چھوڑ کر گومتی کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے اور لکھنو شہر کی داغ بیل ڈالی جارہی تھی۔نواب کا سن پیدائش ۱۱۸۸ھ اور تاریخ وفات ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ ہے۔اس مقدس اور متبرک درگاہ کی شہرت اور مقبولیت کا راز ایک ''علم'' کی وجہ سے ہے جس کو لوگ حضرت عباسؑ علمدار کے علم کی شبیہ کہتے ہیں اس علم مبارک کے کراماتی فیض سے ہزاروں آدمیوں نے فیض حاصل کیا ہے۔

غیر شیعہ واقعہ نگاروں نے اس درگاہ اور علم کی مقبولیت کے لیے دو قول تحریر کیے ہیں۔

پہلا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک درویش تعزیہ دار حسین بقول عبداللطیف لوحانی خالص پوری، علم مبارک ملک شام سے لے کر آئے اور اس کو اس درگاہ میں نصب کیا۔شہر لکھنو کے جذب وکمال نے ایک مقدس زیارت گاہ بنادیا۔

بعض اہل قلم کہتے ہیں کہ اس زمین پر ایک نادار سید افلاس کی زندگی بسر کررہا تھ اس کو خواب کے ذریعہ بشارت ہوئی کہ اس جگہ زیر زمین علم مبارک حضرت عباسؑ

ہے۔ اس سید نے اس جگہ کی کھدائی کی تو حسب بشارت زمین سے علم مبارک کا پنجہ برآمد ہوا۔ جس کا وزن ۱۳ سیر کا تھا پھر اس پنجہ کو علم میں نصب کر کے اس عمارت میں لگادیا گیا جو بعد میں لوگوں کے لیے معجزات، کرامات ،منتوں اور مرادوں کے لیے مقدس درگاہ بن گئی۔

معجزاتی علم کے لیے معتبر تحریر

یورپین خاتون لیڈی برجینا ممبر ہاؤس آف لارڈس انگلینڈ جنہوں نے نواب مصلح الدولہ حاجی میر حسن علی شاہ مرحوم سے بعہد نواب سعادت علی خان مرحوم عقد کرلیا تھا۔ اس کے بعد اس معزز خاتون نے ۱۲ سال ہندوستان میں قیام کر کے یہاں کے حالات پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ''آبزرویشن آن دی مسلمانس آف انڈیا'' تھا۔
(Observaton On The Muslmans Of India)

اس کتاب میں تحریر فرماتی ہیں کہ عہد نوابی کے ایک پاک اعتقاد مومن حج بیت اللہ کے لیے گھر سے چلے۔ مناسک حج ادا کرتے ہوئے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت تشریف لائے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ سفر واپسی براہ عراق کرنا اور عربستان کے فلاں مقام پر جو علم زیر زمین پوشیدہ ہے اس کو اپنے ساتھ ہندوستان لیتے جانا۔ تعمیل حکم ہوئی اور جس مقام پر خواب میں رہنمائی ہوئی تھی وہاں سے زمین کھود کر علم نکالا۔

لکھنو واپس ہوئے علم کے پہنچنے پر ان کے گھر سے ایک روشنی نمایاں ہوئی جس نے قرب و جوار کو روشن کر دیا۔ اس روشنی کی شہرت دور دور تک ہوگئی۔ جس کی اطلاع فرمانروائے شہر کو ہوئی۔ چنانچہ حاجی صاحب کو باعزاز و اکرام قصر حکومت میں طلب کیا گیا۔ روشنی کا سبب دریافت کیا گیا۔ حاجی صاحب نے تمام واقعہ بیان کیا۔

نوعیت واقعہ معلوم ہونے پر طے پایا کہ درگاہ کی عمارت تعمیر کی جائے اور پھر اس بشارتی علم کو اس عمارت میں نصب کر دیا جائے۔ علمائے کرام کے مشورہ سے عالی شان درگاہ بن کے تیار ہوئی اور نواب کے محل سے علم سج کر جلوس کی شکل میں رستم نگر تک لایا

گیا۔ اہل شہر کے جم غفیر میں علم پر سے اس قدر زر و جواہر نواب نے نثار کیے اور محتاجوں میں خیرات تقسیم ہوئی جس کی مثال کسی حکومت میں نظر نہ آئے گی۔ زیارت گاہ سے علم نصب ہونے کے بعد انواع و اقسام کی کرامات ظاہر ہونا شروع ہوگئیں۔ سال میں صرف ایک بار اس علم کو امام بارگاہ کے صحن درگاہ میں لایا جاتا تو یہ علم خودبخود آسمان کی طرف اٹھنے لگتا اور اس علم کو جو اٹھائے ہوئے ہوتا اس کے پیر زمین سے اٹھنے لگتے۔

حضرت عباسؑ کی درگاہ اور علم سے تو سرزمین اودھ کی والہانہ وابستگی رہی ہے۔ نواب سعادت علی خان نے مراد مانی کہ ان کو ان کا آبائی منصب مل جائے تو وہ اس روضہ کی شبیہ کے گنبد کو طلائی کروادیں گے۔ مراد پوری ہوئی۔ نواب نے گنبد کو طلائی کروادیا۔ بعدازاں جو نواب بھی تخت حکومت پر بیٹھتا وہ یہاں آنا اپنا فرض سمجھتا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں شہر لٹا اور معتبر ترین بیانات یہ ہیں کہ یہ علم درگاہ سے شہتوت کے درخت تک جو صحن حرم میں تھا آتے ہوئے وہاں موجود لوگوں نے دیکھا پھر اس معجزاتی علم کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔ امن و امان ہونے پر شرف الدولہ نے ایک ہزار روپیہ انعام مقرر کیا کہ جو شخص اس علم کی نشاندہی کرے گا اس کو انعام دیا جائے گا۔ مگر علم واپس نہ ہوا۔

۱۹

علم حضرت عباسؑ کے پنجہ پر محمدؐ خودبخود تحریر ہوگیا

خاک اڑاتی ہوئی جنگل سے ہوا آتی ہے
ہائے عباسؑ کی دریا سے صدا آتی ہے

سید حسن کمال سابق منیجر ''الواعظ'' درگاہ حضرت عباس علیہ السلام واقع رستم نگر لکھنو

یو پی بھارت ۲۷ مارچ ۱۹۴۵ء مطابق ربیع الآخر ۱۳۶۴ھ کا واقعہ اپنے ایک مراسلہ میں مندرجہ بالا درگاہ اور اس سے متعلق علم کی کرامات پر اشارہ کرتے ہیں کہ لکھنو میں متعدد امام بارگاہوں کے علموں کے پنجہ پر شبیہیں نظر آنے کی خبریں آرہی تھیں۔

چنانچہ اس دوران مندرجہ بالا تاریخ کو مجھے اطلاع ملی کہ درگاہ حضرت عباس علیہ السلام میں دفعتاً علم کے پنجہ سیاہ ہو گئے ہیں۔ خبر ملتے ہی میں ۷ بجے شب کو درگاہ پہنچ گیا جس وقت درگاہ کے پھاٹک پر پہنچا تو میرا دل زور زور سے لرزنے لگا۔ ہاتھ پاؤں قابو میں نہ رہے۔ ایک رعب تھا جو مجھ پر طاری تھا میں ڈرتے ڈرتے صحن اقدس میں گیا اور تقریباً چھ سات گز کے فاصلہ سے دیکھنا شروع کیا۔

روضہ میں سب علم چاندی کے ہیں اور بہت صاف ہیں۔ لیکن اس وقت ایک علم جو کہ آدھ گز کا ہوگا اس کا بہت زیادہ حصہ سیاہ تھا میں بغور دیکھتا رہا میرے دیکھتے دیکھتے اس کی سیاہی میں برابر اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ پورا علم سیاہ ہو گیا۔ صرف اوپر کے حصہ میں اک ذرا سی سفیدی باقی رہ گئی تھی۔

اس کے پہلو میں جو بالکل ویسا ہی دوسرا علم تھا مگر وہ بہت صاف تھا اس پر پہلے سے کوئی علامت یا نشان نہ تھا یکا یک اس علم پر بہت واضح اور صاف طریقہ پر لفظ "محمدؐ" نمودار ہوا جسے اس وقت موجود تقریباً تمام حاضرین نے بغور دیکھا یہ کیفیت تقریباً پندرہ بیس منٹ تک برقرار رہی اور لوگ بہت اچھی طرح بغیر کسی مدد اور بغیر ایک دوسرے کو بتائے ہوئے دیکھا کیے۔

بھائیو! علم کی سیاہی ایک طرف تو پیام غم و سوگواری کو ظاہر کرتی ہے اور دوسری طرف غصہ اور جلال کی علامت ہے جو ہونا تعجب نہیں ہے۔ اس وقت جب یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا تھا قوم افتراق و انتشار کا شکار تھی۔ محمدؐ کے مبارک لفظ کا علم پر نمودار ہونا بتاتا ہے کہ تم محمدؐ کے پروانے ہو جو دنیا میں صلح و آشتی اور خیر کے لیے آیا ہے لیکن تم لوگوں نے محمدؐ کی تعلیم بھلا دی ہے۔

۲۰

روضہ حضرت عباسؑ پر خود بخود پستول سے گولی چل گئی

یا علیؑ عباسؑ غازیؑ صاحب تاج وسریر
سب کے تم مشکل کشاؑ ہو کیا غریب و کیا امیر

''نظارہ'' لکھنو کے نامہ نگار ۱۳۸۶ھ کی اشاعت میں ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۱ء روضہ مبارک حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام پر ہونے والے معجزات کو تحریر فرماتے ہیں کہ نماز صبح کے بعد جب میں بارگاہ حضرت عباسؑ علمدار میں حاضری کی غرض سے پہنچا تو کفش کن نے مجھے روضہ مبارک میں داخل ہونے سے روکا اور کہا حضرت عباسؑ نے ایک شخص کو گولی ماردی ہے جب تک حکام اور پولیس نہ آئے اس وقت تک کوئی اندر نہیں جا سکتا۔

ایک گھنٹہ بعد پولیس اور ڈاکٹر آئے اور روضہ مبارک میں داخل ہوئے یہاں ان کو ایک عبرتناک منظر دیکھنے میں آیا۔ وہ یہ تھا کہ مرقد اطہر کے پاس بالائے منبر ایک شخص دیوار سے لگا بیٹھا ہے ایک سفید چادر اس کے جسم کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور ضریح اقدس اور اس شخص کے درمیان ایک چھ کارتوس والا ریوالور پڑا ہے۔ لیکن چادر یا زمین وغیرہ پر کوئی دھبہ خون کا نظر نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے اس شخص کے جسم سے چادر ہٹائی تو اس کے جسم پر معدہ کی جگہ گولی کا سوراخ معلوم ہوا جو چاروں طرف سے سیاہ پڑ گیا تھا۔ اس کی لاش کو الٹا کر کے پشت کی جانب دیکھا تو ادھر بھی گولی پار ہو جانے کا نشان تھا۔ مگر کوئی گولی کہیں ملی نہ۔

جس دیوار سے یہ لگا بیٹھا تھا گولی کا نشان تھا جسم میں ایک لمبی سلائی پاس کر کے

دیکھا تو وہ ادھرادھر تک پار ہوگئی۔جس پر ڈاکٹر اور پولیس کو یہ شبہ ہوا کہ اس کو دوسری جگہ گولی ماری گئی ہے اور لاش یہاں لاکر رکھ دی گئی ہے۔

لاش کو کئی مرتبہ الٹ پلٹ کر دیکھا مگر ایک قطرہ خون کا نہیں نکلا بعد میں میت کو صحن اقدس میں لاکے قبلہ کے سامنے جیسے ہی کیا ایک خون کا دریا جاری ہو گیا جس کے بعد ڈاکٹر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس دونوں کی زبانوں سے یہ جملہ نکلا ''**ھذا اعجاز العباسؑ**'' یہ بیشک حضرت عباس علیہ السلام ہی کا معجزہ ہے۔

۲۱

جھوٹے کو فوراً سزا ملی

اسی طرح ایک دن ایک اور معجزے سے دوچار ہونا پڑا۔ واقعہ ہے یہ ہے کہ ایک دن نماز مغربین پڑھ کر میں امام حسین علیہ السلام کے ایوان طلائی کی فصیل پر چہل چراغ کے سامنے اپنے بعض احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شور وغوغا سنائی دیا۔ ہم لوگ بھی اس سمت دوڑے دیکھا کہ چند آدمی ایک شخص کو ہاتھوں میں میت کی طرح اٹھائے ہوئے لا رہے ہیں اور پیچھے ایک مجمع کثیر ہے جن کی زبان پر یہ جملہ جاری ہے۔

''ابوالفضل العباس سیلی زدند'' ہم نے دیکھا کہ اس کا منہ داہنی جانب گھوم گیا اور منہ سے رال جاری ہے اور کوئی لفظ زبان سے نہیں نکل رہا ہے۔جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہنے پر قادر نہیں، لانے والوں نے اس کی شال کو کمر سے کھول کے ایک سرا اس کی گردن میں باندھا اور ایک سرا ضریح اقدس امام مظلوم میں باندھ دیا اور ضریح کے پاس لٹا دیا۔تقریباً ایک گھنٹہ بعد اس کی زبان سے صرف اتنا نکلا کہ ''برساں نزد عباسؑ'' (عباسؑ کے قریب لے چلو) لوگ روضہ عباسؑ میں فوراً اس کو لے گئے اور پھر اس

شخص کو یہاں بھی اسی طرح باندھ دیا۔
جب کچھ دیر کے بعد اس کو ہوش آیا تو اس نے بیان کیا کہ میں نے ضریح کے پاس جھوٹی قسم کھانے کا ارادہ کیا تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ میرے رخسار پر ایک ہتھوڑا پڑا اور میں زمین سے تقریباً گز بھر اُچھل کر اوندھے منہ گر پڑا۔ اس کے بعد مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ اس عالم بیہوشی میں، میں نے ایک آواز سنی کہ جا ہم نے عباسؑ سے تیری سفارش کردی ہے۔ وہ تیری خطا معاف کردیں گے۔ اس وقت میں اتنا کہہ سکا کہ مجھے خدمت حضرت عباسؑ میں لے چلو۔ یہ اعجاز دونوں بھائیوں کے اقتدار پر گواہ ہے۔

۲۲

روضۂ عباسؑ پر لٹکی ہوئی تلوار ایک سیدزادہ کے پاس آ کر گری

واہ کیا اوج تھا اس فوج کا کیا جاہ و حشم
ہاتھ میں حضرت عباسؑ کے لشکر کا علم

(کاملؔ لکھنوی)

ایک نوجوان سید نے ایک بزرگ سید کی دختر سے عقد کا پیغام دیا۔ ان بزرگ سید نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ میری لڑکی نجیب الطرفین سید ہے تم اس کے کفو نہیں ہوسکتے اس لیے میں یہ رشتہ منظور کرنے سے معذور ہوں۔
یہ نوجوان خود بھی نجیب الطرفین تھا۔ اس کے دل پر اس جواب سے سخت چوٹ لگی۔ افسردہ و غمگین روضہ ابوالفضل العباسؑ پر حاضر ہو کر ضریح اقدس سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگا اور التجا کرنے لگا کہ مولاؑ اگر واقعی میں سید نجیب الطرفین نہیں ہوں تو مجھ

کو ہدایت فرما دیجئے تاکہ میں آئندہ کسی نجیب الطرفین سیدہ کی خواہش نہ کروں اور اگر میں سید نجیب الطرفین ہوں تو مجھے کوئی سند مرحمت ہو۔

جب اس کی گریہ وزاری حد سے تجاوز کر گئی تو گنبد روضہ کے بالائی حصہ سے ایک سبز (کربلا میں سید لوگ اپنے سر پر سبز یا کالا کپڑا ڈال کر رکھتے ہیں) کپڑے کا دو گز لمبا ٹکڑا سر پر آ کے گرا جو اس نے فوراً سر پر لپیٹ لیا۔ نیز گنبد کے چاروں گوشوں میں کچھ اسلحہ از قسم خنجر و شمشیر وغیرہ لٹکے رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک تلوار ازخود اسلحہؑ سے نکل کر نوجوان کے آگے گری جو اس نے اٹھالی۔

خادم نے یہ خیال کر کے کہ شاید اتفاق سے تلوار گر پڑی نوجوانؑ سے چھین لی تلوار پھر خادم کے ہاتھ سے چھوٹ کے نوجوان کے پاس آ گری۔ تین مرتبہ یہی ہوا۔ کلید بردار نے کہا تلوار حضرت نے اسے عطا کی ہے وہ اس سے لینے کی کوشش نہ کرے۔ یہ خبر شہر میں آگ کی طرح مشہور ہو گئی۔ لوگ جمع ہو گئے اور اس کے کپڑے تار تار کر کے تبرک کے طور پر لے گئے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں سے کپڑے لاتے اس کو پہناتے اور پھر نوچ کر لے جاتے۔ اس طرح یہ سلسلہ عشاء کی نماز تک جاری رہا۔

۲۳

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر نے عباسؑ کی درگاہ پر منتی علم چڑھوایا

روکے کہتے تھے کہ اکبرؑ نہیں عباسؑ نہیں
اب امانت کوئی خالق کی میرے پاس نہیں

(مرزا دبیرؔ)

مغلیہ خاندان کے آخری فرمانروا بہادر شاہ ظفر کے شیعہ مشہور ہونے میں صاحب

یادگار غالب مولانا الطاف حسین حالی نے لکھا کہ جب کہ بہادر شاہ ظفرؔ کو دہلی میں بیماری سے کسی طرح آرام نہ ہوا تو مرزا حیدر شکوہ کی صلاح سے بادشاہ کو ''خاک شفا'' دی گئی اس کے بعد بادشاہ صحت مند ہوگیا۔ مرزا حیدر شکوہ نے منت مانی تھی کہ بادشاہ کو جب صحت ہو جائے گی تو حضرت عباس علیہ السلام کی درگاہ پر جو لکھنو رستم نگر میں واقع ہے علم چڑھاؤں گا۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی مرزا حیدر شکوہ کے بیان کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بادشاہ ظفرؔ نے بیماری کی حالت میں ایک خواب میں خود کو حضرت عباس علیہ السلام کی درگاہ میں علم چڑھاتے ہوئے دیکھا۔

صحت ہوئی تو ایک سونے کا علم بنوا کر مرزا حیدر شکوہ کے بھائی مرزا نورالدین کے ہاتھ لکھنو بھیجا اور انہوں نے وہاں رستم نگر میں واقع درگاہ حضرت عباسؑ پر علم مبارک چڑھایا اور جب مرزا حیدر شکوہ دہلی آئے تو خود بادشاہ نے اس خواب کا حال سنایا اور تاکید کی کہ علم چڑھا دیا جائے جسکی تعمیل کی گئی۔ اس کے علاوہ مالک رام نے بھی بہادر شاہ ظفر کی بیماری کا حال لکھتے ہوئے یہی تحریر کیا ہے اور مرزا غالبؔ کی زبانی لکھا کہ حضرت بادشاہ سلامت سوکھ کر کانٹا ہوگئے تھے۔ رک رک کر دو ایک باتیں کیں اور ارشاد فرمایا کہ آج ایک عجیب بات ہوئی۔

فجر کی نماز کے بعد یوں ہی ذرا میری آنکھ جھپک گئی تو میں نے خواب دیکھا کہ میں حضرت عباس علیہ السلام کی درگاہ پر علم چڑھا رہا ہوں اس پر مرزا نورالدین نے عرض کیا کہ جہاں پناہ یہ رؤیائے صادقہ ہیں اور اشارہ غیبی ہے۔ اب خواب کو ضرور پورا ہونا چاہیے۔ بادشاہ نے صحت یابی کے بعد مرزا نورالدین کے ذریعہ درگاہ حضرت عباس علیہ السلام پر علم چڑھوایا۔ یہ حضرت عباسؑ کے علم مبارک کی کرامات تھی کہ بہادر شاہ ظفر صحت یاب ہوگئے اور بعد میں انہوں نے مذہب حقہ (یعنی شیعہ) اختیار کرلیا۔

بہادر شاہ ظفر کے شیعہ ہونے کے متعلق ریاست رام پور کے کتب خانہ میں فارسی میں ایک کتاب ''دستورالعمل اودھ'' ہے اس کتاب کا نمبر ۲۲۹ ہے اس کتاب میں

سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب قبلہ مجتہد لکھنوی کے عرائض اور شاہی احکام چند فتاویٰ اور مختلف خطوط ہیں۔ ان خطوط کی سطروں میں دہلی کے آخری فرمانروا بہادر شاہ سراج الدین ظفر اور مرزا غالبؔ کی زندگی کے ایک خاص واقعہ پر روشنی پڑتی ہے۔

خاندان تیموری کے چند شہزادوں نے لکھنو آ کر شیعہ مذہب اختیار کرلیا تھا۔ ان میں سے بعض شہزادوں نے یہ بھی کہا کہ بادشاہ بھی شیعہ ہو گئے ہیں اور بادشاہ کی طرف سے مہری شقہ بھی انہوں نے پیش کیا۔ بہادر شاہ نے سلطان العلماء سید محمد صاحب مجتہد لکھنو کو یہ تحریر مہر لگا کر بھیجی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

بحمد للہ والمنۃ کہ محبت وولائے اہلبیت علیہم السلام بہ دل اختیار کردم واز کلی اعدائے علی ابن ابی طالب علیہ السلام قطعی تبرہ نمودم وتعمیر امام باڑہ شروع گردید۔ بعد التماس مجالس تعزیت جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ تزئین خواہد پزیرفت ازسعی من و الاتمام من اللہ۔ مدارج دینیہ کہ برآن مفصل راسخ ام بہ زبان برخوردار کارگار والا تبار سعادت اطوار مرزا محمد حیدر شکوہ بہادر کہ دراین خصوصی راز داراست دریافت خواہد گشت۔ زیادہ برکات

مہر۔ سراج الدین ظفر
بہادر شاہ دہلی

اردو ترجمہ:۔ اللہ کا شکر ہے کہ محبت اور ولائے اہل بیت علیہم السلام دل سے میں نے اختیار کی اور حضرت علی علیہ السلام کے دشمنوں سے قطعی تبرا کیا ہے۔ امام باڑے کی تعمیر شروع ہوگئی ہے۔ عمارت تمام ہو جانے کے بعد جناب سید الشہدا کی مجالس تعزیت ہوا کریں گی۔ میری کوشش ہے انجام اللہ کے ہاتھ ہے۔ مفصل مدارج دین کے جن کے اوپر میں راسخ ہوں مرزا حیدر شکوہ بہادر کی زبانی معلوم ہوں گے وہ اس معاملے میں رازدار ہیں۔

یہ فارسی تحریر اور اس کا ترجمہ ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب کی کتاب صفحہ نمبر ۱۶۳ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب لاہور میں مجلس ترقی ادب کے اہتمام سے ۱۹۶۴ء میں

طبع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا نام ''حالی کی اردو نثر نگاری'' ہے۔
(بحوالہ رضا کار لاہور جون ۱۹۸۱ء تحریر ڈاکٹر خالد بلگرامی کراچی)

۲۴

حضرت عباسؑ نے لڑکے کے کٹے ہوئے ہاتھ جوڑنے کے بعد قید سے رہائی دلادی

یاعلیؑ عباس غازیؑ صاحبِ تاج و سریر
سب کے تم مشکل کشاء ہو کیا غریب و کیا امیر
(نظیر اکبر آبادی)

جناب اسد ادیب بدایونی ایم اے نامہ نگار ''نظارہ'' لکھنو نے ایک طویل مقالہ تحریر کیا جس میں حضرت عباس علیہ السلام کے ایک معجزہ کا تذکرہ کیا۔ اس معجزہ کو جناب نظیر اکبر آبادی نے خمسہ کے طور پر نظم بھی کیا ہے۔

اس مقالہ کا عنوان ''نظیر اکبر آبادی اور مدح اہلبیت'' ہے۔ اسد ادیب بدایونی تحریر فرماتے ہیں کہ شہر اراکاٹ ضلع کرناٹک دکھن میں ایک ساہوکار رہتا تھا۔ اس کا ایک خوبرو جوان فرزند تھا محرم کا چاند نکلتے ہی یہ لڑکا عزادار بن جاتا تھا۔ تعزیوں کے اردگرد طواف کرتا لوگوں نے اس لڑکے کے باپ سے اس کی شکایت کی۔ باپ نے لوگوں کے کہنے سے غصے میں آ کر سخت تنبیہ کی کہ عزا خانوں میں نہ جایا کرے مگر یہ لڑکا نہ مانا اور برابر عزاخانوں میں زیارت اور ماتم داری کے لیے جاتا رہا۔

آخر باپ نے سزا کے طور پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں قید کر دیا۔ خدا کا کرنا وہاں حضرت عباسؑ علمدار اپنے اعجاز سے تشریف لائے۔ آپؑ جناب نے اپنے اعجاز سے ساہوکار کے اس لڑکے کا ہاتھ حُبِ آلِ محمدؐ کے انعام

کے طور پر جوڑ دیا اور قید تنہائی سے رہائی بھی دلا دی چنانچہ جب اس لڑکے کے باپ نے اپنے اس لڑکے کو دیکھا تو مع خاندان اور بہت سے دوسرے افراد کے ساتھ ایمان لے آیا اور سب لوگ کربلا کی زیارت کو گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ (صلوٰۃ محمد و آل محمد علیہم السلام پر)

اس پورے معجزے کا نقشہ نظیر اکبر آبادی نے خمسہ میں اس طرح پیش کیا ہے۔

(۱)

تعزیہ کے سامنے ہوکر مؤدب سر جھکا　　جب علم اٹھتے تو پھر لڑکوں کے ساتھ آنسو بہا
مورچھل رو رو ضریح پاک پر جھلتا کھڑا　　یاحسینؑ ابن علیؑ کہہ کر علم لیتا اٹھا
لوگ دیکھ اوس کی محبت ہوتے تھے حیران کار

(۲)

شام سے آ کر وہ قندیلیں جلاتا دم بدم　　قمقمے اور جھاڑ پر شمعیں چڑھاتا دم بدم
عود سفرواں میں اگر لا کر گراتا دم بدم　　اہل مجلس کے تئیں شربت پلاتا دم بدم
سب وہ کرتا تھا غرض جتنا کہ وہاں تھا کاروبار

(۳)

اپنا بیگانہ اسے جا کر بہت سمجھاتا تھا　　رونا اور ماتم ہی کرنا دل کو اس کے بھاتا تھا
پر کسی کا کب کہا خاطر میں اس کی آتا تھا　　تعزیہ خانوں کی جانب جو وہ دوڑا جاتا تھا
جس طرح عاشق کسی معشوق کا ہو بے قرار

اس کے بعد باپ نے لڑکے کا ہاتھ کاٹ دیا حضرت عباسؑ قید خانہ میں آئے اور ہاتھ جوڑ دیا۔ لڑکے نے پوچھا یا حضرتؑ آپ کون ہیں نام سے تو آگاہ فرمائیں۔ تو فرمایا:

(۴)

یہ ہمارا ہے نشاں اے پاک طینت متقی　　نام کو پوچھے تو ہے گا نام عباسؑ علیؑ
کربلا کے دشت میں دولت شہادت کی ملی　　جو ہمیں چاہے ہمارا بھی اسے چاہے ہے جی
جو ہمارا غم کرے ہم بھی ہیں اس کے غم گسار

(۵)

صبح کو اس کوٹھری کا خود بخود در کھل گیا　　باپ ماں دیکھیں تو اس کا ہاتھ تن سے جو ملا
پوچھا یہ کیا تھا جو کچھ دیکھا تھا اس نے کہہ دیا　　سنتے ہی دونوں نے پھر تو صدق دل کلمہ پڑھا
ہاتھ میں تسبیح لی زنار کو ڈالا اوتار

(۶)

الغرض ماں باپ اس پر جان اور دل سے فدا　　لے کے لڑکے کو چلے دلشاد سوئے کربلا
راہ میں کرتے تھے لوگ اس کی زیارت جابجا　　جب وہ منزل پر اترتے تھے تو واں کے لوگ آ
دم بدم کرتے تھے اس پہ سیم و زر اپنا نثار

اس کے بعد ساہوکار کا سارا خاندان زیارت سقاء حرم سے مشرف ہوا اور وہاں پر نذر چڑھائی۔

نظیر کہتے ہیں۔

یا علیؑ عباسؑ غازی صاحب تاج و سریر　　سب کے تم مشکل کشا ہو کیا غریب و کیا امیر
جان و دل سے اب تمہارے نام کا ہو کر فقیر　　یہ غلام روسیاہ سب جس کو کہتے ہیں نظیر
آپ کے فضل و کرم کا یہ بھی ہے امیدوار

نظیر اکبرآبادی کی اس مخمس کو جس کے کل ۸۰ اشعار تھے ۱۹۵۱ء میں ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد نے شائع کیا۔

یہ کرامت عظمیٰ آج سے ۱۴۰ سال پہلے قدیم ہندوستان کی ہے صاحب موسع الغموم نے اپنی کتاب میں ایسا ہی ایک واقعہ مملکت ایران عباس آباد کا درج کیا ہے۔ جس کو آپ اسی کتاب میں پڑھ چکے ہیں۔ یہ باب الحوائج ہیں یہاں ایک معجزہ کیا ہزاروں معجزے ایک ہی نوعیت کے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

۲۵

چلتی ریل گاڑی سے گرنے والا بچہ زندہ بچ گیا

آنسو رواں تھے غیرت الیاس کے لیے
شبیرؑ یوں ہی روتے تھے عباسؑ کے لیے

تقسیم ہند سے پہلے پٹنہ عظیم آباد بہار سے ایک قافلہ بغرض زیارت سید الشہداء علیہ السلام روانہ ہوا۔ ناتجربہ کاری کی وجہ سے تیز رفتار گاڑی سے ایک عورت کی گود سے کھڑکی کے ذریعہ ایک بچہ ڈبہ کے باہر گر گیا۔ بچہ کا گرنا تھا کہ سارے ڈبہ میں ایک کہرام مچ گیا۔ ناامیدی اور مایوسی کے عالم میں جب اسٹیشن آیا۔ ڈبہ سے لوگ قانونی کارروائی کے لیے اترے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اسٹیشن پر ایک شخص اسی بچہ کو گود میں لیے ٹہل رہا ہے۔ لوگوں نے اس آدمی کو غور سے دیکھا تو وہ قریب آیا اور بچہ کو دے کر ایک طرف چلا گیا۔ (صلوٰۃ محمدؐ وآل محمد علیہم السلام پر)

(بحوالہ کتاب العبد الصالح از آغا مہدی لکھنوی صفحہ نمبر ۲۵۴)۔

بھائیو! اس پر تعجب کی کوئی بات نہیں یہ سب تو تفسیر ہے۔ حضرت عباسؑ کے رجز کے اس مصرعہ کی جس میں قسم کھا کر فرمایا ہے کہ واللہ میں ابد تک دین کی نصرت کرتا رہوں گا۔ اگر بچہ ضائع ہو جاتا تو اس طرح:

(۱) ایک بے گناہ کی جان جاتی۔ (۲) ماں باپ کی ایک نسل قطع ہو جاتی۔ (۳) شوق زیارت گھٹتا۔ (۴) عقیدہ کی کڑیاں ٹوٹتیں (۵) ممات شہداء کا یقین اور قران کریم کی آیت "بل احیاء" غلط ہو جاتی ہے۔ (۶) خود مولا کا وعدہ غلط ہوتا۔ (۷) بچہ جو چوٹ کھا کر مر جاتا اس کی لاش کیا ہوتی اس لیے بچہ کا محفوظ رہنا لازم تھا۔ انہی خدمات سے معرفت الٰہی ہوتی۔

اہل بیت کا ارشاد ہے: ہم پر تو مومنین کی مدد ضروری ہے۔

یہ واقعہ اپنے اندر ایک روشن پہلو یہ بھی رکھتا ہے کہ بچہ کا نام گھر سے نکلنے کے بعد زائروں کی فہرست میں لکھا جا چکا تھا۔ اس طرح زائرہ کے اطفال بھی زائر اور زائر کے لیے امام محمد باقر علیہ السلام کا وعدہ ہے ہمارے شیعوں کو زیارت سید الشہدا کا حکم دو کہ زیارت حسینؑ کسی عمارت میں گرنے پر دب کر مرنے اور آگ لگنے اور غرق ہونے اور درندوں کا لقمہ ہوتے سے بچاتی ہے۔

چلتی گاڑی سے بچہ کا گرنا حدیث کے اصل لفظ ''تدفع الھدم'' کے تحت میں حفاظت کی ضامن ہے۔ اہل حرم کی گودیاں خالی ہوئیں مگر انہیں یہ مطلوب نہیں ہے کہ زائرہ کی آغوش سے اس کا بچہ جدا ہو۔

۲۶

حضرت عباسؑ نے ڈوبتے ہوئے جہاز کو بچا لیا

سر پیٹ کے کہتی تھی جو یہ ہائے چچا جانؑ
لاشے سے بھی آتی تھی صدا ہائے سکینہؑ
(راجہ محمد امیر احمد)

ابوالخلیل مولانا سید راحت حسین صاحب بھکوری ۱۳۳۰ھ میں پہلے پہل بغرض زیارت عراق گئے۔ زیارت سیّد الشہدا سے مشرف ہونے کے بعد وطن واپسی کا حال ان کی زبانی سنیئے۔

راستہ میں جہاز سمندر کے ایک خوفناک طوفان میں پھنس گیا ہر چار طرف سمندر میں تلاطم مچا ہوا تھا۔ جہاز کے ناخدا نے تمام دریچوں، کھڑکیوں کو بند کرنے کی تاکید کی۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی بھی لحہ جہاز پانی میں ڈوب جائے گا۔ ناخدا نے کہا کہ اب اللہ

اللہ کرو جن کی زیارت کو تم لوگ گئے تھے ان کو پکارو۔ میں نے ایسا زبردست طوفان زندگی میں نہیں دیکھا۔ یہ طوفانی رات کیسی گزری کچھ بتایا نہیں جاسکتا۔

مولوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ نوحہ و ماتم میں یا حسینؑ مظلوم یا ابوالفضل عباسؑ کہہ رہے تھے اور کچھ ماتم کرتے کرتے سو گئے تھے۔ اس سفر میں ہمارے ہمسفر سرکار ناصر الملت کے برادرزادہ حکیم سید ساجد حسین ساجد لکھنوی، محمد میاں اور نواب حشمت علی خان رئیس حیدرآباد دکھن بھی تھے۔

صبح کے وقت عرشہ سے نواب حشمت علی خان روتے ہوئے نیچے آئے اور رات کو سوتے میں جو انہوں نے خواب دیکھا تھا اس کو بیان کرنے لگے یہاں پر پہلے ہی سے محمد میاں ملازم خاص سرکار ناصر الملت بھی رو رو کر اپنا خواب بیان کر رہے تھے۔

دونوں کے خواب کا مضمون ایک ہی تھا کہ وقت سحر یہ دیکھا کہ حضرت عباس علیہ السلام نیزہ لیے ہوئے سمندر پر گھوڑا دوڑاتے ہوئے تشریف لائے اور جہاز کو اپنے نیزہ پر غرق ہونے سے روک لیا اور فرمایا تم لوگ پریشان نہ ہو غم نہ کرو۔ جہاز اس تلاطم سے بچ گیا۔ یہ خواب سن کر تمام زائرین نے شکرانہ کی۔ نماز ادا کی مجلس حسین علیہ السلام اسی جہاز میں منعقد ہوئی اور جہاز اسی دن صحیح و سالم کراچی کی بندرگاہ سے لگ گیا۔

ہم سب لوگ جہاز سے اترے دوسرے دن غلام حسین خالقدینا ہال میں سیٹھ نور محمد لال جی ملک التجار کی صدارت میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا اس جلسہ میں جناب ابوالخلیل مولوی سید راحت حسین بھکپوری نے ایک پراثر و پر درد سفر عراق و کرامات عباسیہ پر لیکچر دیا جس نے حاضرین کے دلوں پر ایک قیامت برپا کردی۔

(بحوالہ اخبار ''نظارہ'' الفضل العباسؑ نمبر لکھنو ۱۴ ستمبر ۱۹۵۳ء جلد ۲۴ نمبر ۱۔۲ صفحہ ۲۴ کالم ۲)

۲۷

ہندو بنیے کی آنکھ ٹھیک ہوگئی

حل کیجئے مشکل میری اب دیر ستم ہے
عباسؑ علیؑ تم کو سکینہؑ کی قسم ہے

عالی جناب مولانا آغا مہدی صاحب لکھنوی اپنی مشہور زمانہ کتاب العبد الصالح مسمی بہ سوانح حضرت عباسؑ دلاور صفحہ نمبر ۲۴۹ میں ہندوستان کے شہر اعظم گڑھ (یوپی) کا ایک واقعہ جو حضرت عباس علیہ السلام کے معجزہ سے متعلق ہے تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت عباس علیہ السلام کی ایک درگاہ تھی۔ اسی علاقے کے ایک ہندو کی آنکھ جاتی رہی۔ کچھ عرصہ بعد دوسری آنکھ پر بھی بصارت باقی نہ رہنے کی کیفیت طاری ہوئی۔

اس نے لوگوں سے کہا کہ مجھے عباسؑ بابا کی درگاہ پر لے چلو۔ لوگ اس کو اس درگاہ پر لے آئے۔ اس ہندو نے درگاہ کے دروازے پر بیٹھ کر دادفریاد کی اور یہاں کی خاک اپنی آنکھوں میں لگائی۔ کچھ دیر کے بعد اس شخص کی آنکھ ٹھیک ہوگئی اور اس نے اعتراف کیا کہ جتنی روشنی دونوں آنکھوں میں تھی اتنی تو روشنی صرف اس آنکھ میں ہے۔

بھائیوں آنکھوں کا نور پلٹانا حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ تھا جس کو مسیح کربلا تیرہ سو برس بعد دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ صرف یہ فرق عیسیٰؑ اور عباسؑ میں ہے کہ عیسیٰؑ جس مریض پر ہاتھ پھیرتے تھے تندرست ہو جاتا تھا اور عباسؑ کی منسوب بارگاہ شفا بخش رہی ہے کیوں نہ ہو وہ عین اللہ کے فرزند ہیں۔

۲۸

کانپور (یوپی) انڈیا میں واقع محلّہ گوال ٹولی کربلا کا ایک حیرت انگیز معجزہ

اس تشنہ لب کی پیاس پہ صدقے حیات قوم
سقہ تھا جس کا شیرؑ نیستان کربلا
(نجم آفندی)

سید غیور حسین نقوی حال مقیم امام بارگاہ ام البنینؑ حسن کالونی کراچی نے بھی سقائے سکینہؑ علمدار فوج حسینیؑ کا تقسیم ہند سے پہلے کا ایک اعجاز بیان فرمایا کہ شہر کانپور یوپی (انڈیا) محلّہ گوالٹولی میں نوابوں کی بنوائی ہوئی ایک مشہور کربلا ہے یہاں شہر کے تمام تعزیئے یوم عاشورہ اور چہلم امام عالی مقام کے موقع پر دفن ہوتے تھے اور آج کل بھی ہو رہے ہیں۔

یہ کانپور شہر کی مشہور کربلا ہے۔ اس کے اطراف میں مسلمانوں کے گھرانے آباد تھے جس میں کچھ اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھنے والے افراد بھی تھے۔ اس میں کچھ گھرانے دھوبیوں کے بھی تھے۔ ان میں سے ایک گھرانا کٹر وہابیوں کا تھا جو اپنے بچوں کو امام بارگاہ جانے، مجلس اور تعزیہ وغیرہ کے جلوس میں شرکت کرنے سے منع کرتا تھا۔ اگر کوئی بچہ چوری چھپے مجلس و امام بارگاہ میں آجاتا تھا تو یہ دھوبی اس بچہ کو بہت مارتا تھا۔

ایک دن دوپہر کا وقت تھا محلّہ کے کچھ بچے جس میں اس دھوبی کا بچہ بھی شامل تھا کھیلتے ہوئے امام بارگاہ میں آگئے اور اس کے صحن میں لگے ہوئے بیری کے درخت سے بیر توڑنے لگے ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک گھوڑے سوار منہ پر نقاب ڈالے امام باڑے کے اندر سے صحن کی طرف آرہا ہے سارے بچے ایک دم سے ڈر گئے اور امام

بارگاہ کی دیوار پھاند کر باہر بھاگ گئے لیکن دھوبی کا لڑکا ایک چیخ مار کر بیہوش ہوگیا۔

سارے لڑکے شور مچاتے ہوئے اس دھوبی کے گھر گئے اور جاکر کہا کہ تمہارے بچے کو ایک نقاب پوش گھوڑے سوار نے امام باڑے کے صحن میں کچل دیا جس کی وجہ سے اسکی ایک زبردست چیخ نکلی اور وہ وہیں پر پڑا ہے۔ ہم لوگ بھاگ آئے ہیں۔ اب کیا تھا سارے دھوبی اور اس محلّہ کے دیگر لوگ بھاگتے ہوئے امام باڑے میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ امام باڑے کے اندر سے صحن میں بیری کے پیڑ تک گھوڑے کے نال کے نشان ہیں۔ جہاں جہاں نال کے نشان تھے اس زمین کی مٹی جل گئی ہے اور لڑکا بیری کے پیڑ کے نیچے پڑا ہوا تھا۔

لڑکے کی ماں نے اس کو گود میں اٹھا لیا لوگ اس کے منہ پر پانی ڈالنے لگے۔ تاکہ اس لڑکے کو ہوش آجائے۔ لیکن وہ اسی طرح بیہوش پڑا رہا۔ ناگاہ اس لڑکے نے آنکھ کھولی اور ایک زوردار چیخ ماری مجھ کو بچاؤ وہ دیکھو سامنے گھوڑے سوار جن کے ہاتھ نہیں ہیں گھوڑا میرے اوپر چڑھائے دیتے ہیں اور پھر یہ بچہ بیہوش ہوگیا۔

وہاں موجود ایک بزرگ نے دھوبی سے کہا کہ تو مجلس ماتم، تعزیہ اور علم کو برا بھلا کہتا ہے جس کو حضرت عباس علمدارؑ برداشت نہیں کر سکے اور تنبیہ کے طور پر اس بچہ کو بیہوش کر دیا ہے اب کیا تھا دھوبی کے ساتھ ساتھ تمام حاضرین نے جناب عباس علیہ السلام سے فریاد کرنا شروع کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد بچے کو ہوش آ گیا۔ ماں خوشی خوشی بچہ کو امام بارگاہ سے گھر لے گئی۔ دھوبی نے معافی مانگی کہ آئندہ وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کہے گا۔ اتنی دیر میں سارا شہر وہاں جمع ہوگیا اور گھوڑے کے ٹاپ کے نیچے کی جلی ہوئی مٹی تبرک کے طور پر لے گئے اور بیری کے درخت کے نیچے جہاں چارٹاپوں کے نشان تھے وہاں آج بھی گڑھا ہے اور پیڑ میں ہزاروں منتی دھاگے بندھے ہوئے ہیں۔ لوگ آج بھی یہاں آکر مرادیں اور منتیں مانگتے ہیں جس کو باب الحوائج پوری کرتے ہیں۔

۲۹

نیپال کی ترائی میں نبیؐ کے لال کا ماتم

لوگ یہاں حسینؑ کے بھائی عباسؑ کے علم کے ساتھ قرولی کا ماتم کرتے ہیں۔ یہی وہ غم ہے جس میں ہر قوم شریک ہے

عباسؑ کی شجاعت رہ جاتی تھی تڑپ کر
بچے بلک بلک کر جب مانگتے تھے پانی

شری چندر مان پرشاد کا تعلق ہندو مذہب سے تھا جو ہندوستان کے قصبے ہلور تحصیل ڈومریا گنج اسٹیشن ضلع بستی (یوپی) کے رہنے والے تھے اس قصبے میں اکثریت شیعہ سادات کی آباد تھی اور آج کل بھی ہے۔ شری جی صاحبِ علم اور انصاف پسند طبیعت کے مالک تھے۔ علاقہ کی سادات برادری سے ان کے گہرے مراسم تھے جس کی وجہ سے اکثر مجالس و محافل میں ان کی شرکت رہتی تھی جہاں یہ علوم آلِ محمدؐ سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔

طلب سچی ہو تو ہدایت بھی ملتی رہتی ہے۔ صاحبانِ علم کی صحبت اور دینی کتب کے مطالعہ نے ان کے دل میں اسلام کی حقانیت اور برتری کو تسلیم کرنے کی شمع جلا دی تھی۔ اس ایک واقعہ نے جس کا آگے چل کر تفصیل سے ذکر آئے گا ان کی بالکل ہی کایا پلٹ دی۔

شری چندر مان پرشاد ۱۹۴۹ء میں حکومت نیپال کی جانب سے فارسٹ سروے آفیسر کے عہدے پر فائز تھے اور حکومت کی جانب سے علاقے کے جنگلات کا سروے کر رہے تھے۔ دوران سروے جو واقعہ پیش آیا اس کو ان کی زبانی سنیئے۔

''ہم کو ہمیشہ سے اہنسا کی راہ دکھانے والے رہبر اعظم ''حسینؑ'' کے کارناموں کو سننے اور پڑھنے سے دلچسپی تھی چنانچہ ڈومریا گنج اسٹیشن کے دوران قیام میں حضرات ہلور سے اس معاملے میں کافی امداد ملتی رہی اور ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا رہا۔ انہوں نے واقعات کربلا کے متعلق بہت سی ایسی نادر اور نایاب کتابیں مجھ کو عطا کی ہیں کہ میں کبھی بھی ان کے احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔

اور انہی کتابوں اور ہلور شہر کی سالانہ مجالس جو کہ انجمن گلدستہ ماتم اور فروغ ماتم کے زیر اہتمام منعقد ہوتی تھیں جن کو باہر سے آئے ہوئے مشہور زمانہ جید علما کرام رونق بخشتے تھے کی بدولت میں چند شیعہ حضرات سے بھی زیادہ تاریخ کربلا کے متعلق جانتا ہوں اب ایک واقعہ میں سناتا ہوں جو کہ پچھلے سال میری نظروں سے گزرا اور اسی وقت سے میں اور زیادہ اہنسا کے کے اس پجاری حسینؑ کا پیروکار ہوگیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۴۹ء میں ماہ محرم میں نیپال کے شمالی جنگلوں میں وہاں کی پیائش کر رہا تھا کیوں کہ یہ جنگل ابھی تک ناپا نہیں گیا تھا۔ میں اپنے عملے کے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ٹٹو (چھوٹا گھوڑا) پر ان پرخطر جنگلوں کو پار کرتا ہوا بالکل دوسرے کنارے پر پہنچا۔ ہمارا راستہ سات دن میں ختم ہوا تھا۔ دوری کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ ہم لوگ ایک دن میں کم سے کم تیس میل ضرور چل لیتے تھے۔

بہرحال ایک وادی میں کیمپ لگا دیا گیا اور ہم لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوگئے۔ ہم کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ اس مہینے میں انسانیت کے علمبردار اور اہنسا کے موجد حسینؑ کی یاد منائی جاتی ہے۔ ہم لوگوں کا روزانہ کا کام یہ ہوتا تھا کہ آٹھ بجے صبح تک کھانا وغیرہ کھا کر نکل پڑتے تھے اور تین بجے تک درختوں میں نشان وغیرہ لگا کر واپس آجاتے تھے۔

پانچ دن اسی طرح گزرے اور ہم لوگوں نے کم از کم پچاس میل رقبے کا جنگل سروے کرڈالا لیکن اس جنگل میں کسی آدمی سے ملاقات نہ ہوئی۔ سوائے خونخوار

جانوروں اور خطرناک سانپوں کے۔ ساتویں دن صبح میں منہ ہاتھ دھوکر پیائش کرنے کی تیاری میں مشغول تھا کہ عجیب وغریب آوازیں اور شور سنائی دیا کیوں کہ پہاڑی علاقے میں آواز بہت دور تک گونجتی ہے۔ ہم کو شبہ ہوا کہ شاید عاشورہ کا دن ہے اور یہ آوازیں ماتم کی آ رہی ہیں لیکن پھر خیال آیا کہ سنسان جنگل میں جہاں کہ آدمیوں کی صورت دیکھنے کو نہیں ملتی ماتم کون کرے گا۔

بہرحال جلدی جلدی تھوڑا بہت کام کیا اور اسی آواز کی طرف چل پڑے۔ خیال یہ تھا کہ ادھر پیائش بھی ختم کرلوں گا اور اس شور کا پتہ بھی لگ جائے گا ہم لوگ برابر چلتے رہے اور شور صاف سنائی دیتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم ایسی پہاڑی کے قریب پہنچے جو کہ کافی اونچی نہ تھی۔ اس کو پار کرنے کے بعد ایک میدان نظر آیا۔

یہاں قریب قریب پانچ سو آدمی جنگلی (تھازو قبیلے والے) مصروف گریہ و ماتم تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے علم بھی تھے جو کہ لکھنو وغیرہ کے علموں سے مختلف تھے اور ان جنگلی آدمیوں میں سے کچھ کے ہاتھوں میں لوہے کی مضبوط قرولی (چھری) تھی جو کسی خاص موقع کے انتظار میں تھے۔

قریب دو بجے کا وقت تھا ہم لوگ دور ہی سے ان لوگوں کی حرکات کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ ماتم اور زوروں سے ہونے لگا اور حسینؑ حسینؑ!، عباسؑ! عباسؑ! کی صدائیں تیزی سے بلند ہونے لگیں۔ لفظ حسینؑ اور عباسؑ کے ساتھ کچھ الفاظ اور بھی کہہ رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ آگے بڑھے۔ ہاتھ میں قرولی لیے ہوئے بقیہ لوگ پیچھے سے برابر ماتم کر رہے تھے ایک بارگی سب ایک ساتھ زور سے ماتم کرنے کے بعد اسی قرولی کو سر پر مارنے لگے۔

اس طرح ان لوگوں پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوگئی۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہوکر بیہوشی کی حالت میں زمین پر گرنے لگے۔ قریب قریب سو آدمی اسی

تمام ڈاکٹروں نے لاعلاج مرض کہہ کر جواب دے دیا۔ اب یوسف بھائی نے مایوسی کے عالم میں اس کو ماتم کے حلقہ میں علم حضرت عباسؑ علمدار کے پاس کھڑا کردیا اور خوب رو رو کر تعزیہ کے پاس جا کر بارگاہ سید الشہداؑ میں اس کی بیماری کے ختم ہونے کی دعا کرنے لگے اور منت مانی کہ میرا بچہ ٹھیک ہو جائے گا تو میں حضرت عباسؑ کی نذر کروں گا۔

باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اب روزانہ مجلس میں شریک ہونے لگا۔ دو دن تک تو کچھ نہیں ہوا لیکن جب بھی علم کا پٹکا دوران ماتم اس بیمار لڑکے کے جسم سے چھو جاتا تھا تو وہ ہوش میں آ جاتا تھا۔ تیسری رات یعنی شب عاشورہ مجلس کے بعد ایک چھوٹا علم تعزیہ کا جلوس برآمد ہونے والا تھا بچہ کو باپ لیے ہوئے امام بارگاہ میں بیٹھا تھا کہ اچانک اس بیہوش لڑکے کے منہ سے نکلا ''اب میں کبھی نہیں آؤں گا مجھے علم سے ڈر لگتا ہے آج میں چلا جاؤں گا۔''

نماز مغربین کے بعد مجلس ہوئی پھر جلوس برآمد ہوا۔ سربراہ خوجہ جماعت حیدر علی بھائی نے مریض کو ماتمی حلقہ میں کھڑا کر کے علم اس کے پہلو سے ملا دیا۔ اب مولا عباسؑ کا اعجاز دیکھیے مریض کے بدن میں جھرجھری آئی آنکھ کھولی اور علم کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور پھر یا علیؑ! یا حسینؑ! یا عباسؑ کہتے ہوئے ماتم شروع کر دیا۔

مجمع حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ بس اب کیا تھا۔ بیمار کو باب الحوائج سے شفا مل گئی تھی۔ ایمان والوں کے جذبات اُبل پڑے اور جوش و ولولہ میں درود اور نعرہ حیدریؑ سے امام بارگاہ گونج اٹھی۔ جلوس علم نکلا۔ سلیمان ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے ہاتھ سے یا عباسؑ! یا حسینؑ! کا ماتم کرتے ہوئے جلوس کے ساتھ ساتھ نکلا اور پورے گشت میں ماتم کرتا ہوا تعزیہ کے ساتھ امام بارگاہ میں واپس آیا۔

مجلس کے بعد جب زنجیروں سے ماتم ہوا تو سلیمان نے بھی تین مرتبہ زنجیر سے ماتم کیا۔ یہ زنجیر کو چھوڑتا نہیں تھا۔ لوگ زبردستی اس سے زنجیر چھینتے تھے۔

عاشورہ کے دن باپ بیٹے دونوں نے اعمال عاشورہ کیے۔ شام غریباں کی مجلس میں بھی ماتم کیا اور پھر گیارہ محرم کو سلیمان نے مولانا شیخ علی حسین مبارک پوری کے ہاتھوں مذہب شیعہ اختیار کرلیا۔ مولانا صاحب نے مذہب حقہ کی تعلیم دی۔

یوسف بھائی نے بیٹے کے تندرست ہونے پر منت کے طور پر دو علم امام بارگاہ میں نذر کیے بیٹے کے شیعہ ہونے پر یوسف بھائی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اب باپ اور بیٹے کا معمول ہوگیا تھا۔ مجلس عزا میں شریک ہونا اور ماتم کرنا۔ (بحوالہ سرفراز لکھنو۔ شیعہ لاہور صفحہ ۵ شمارہ یکم مارچ ۱۹۸۱ء

۳۱

معجزہ پر معجزہ

ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ فیاضی کی روشن مثال

امیر لشکر حسین علیہ السلام کے معجزات اور کرامات کو یکجا کر رہا تھا کہ روزنامہ اخبار ''جنگ'' میں مشہور صحافی اور عالم روحانی عالی جناب سردار علی صابری صاحب کا مضمون مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۸۳ء جمعہ ایڈیشن میں شائع ہوا۔ مضمون کیا ہے فضائل آل محمد علیہم السلام کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ بہت پسند آیا۔ دل نے کہا کہ اس کو بھی اس کتاب کی زینت بنا دو۔ کیوں کہ اس دور میں کسی برادر اہلسنت کی جانب سے ایسا مضمون لکھ دیا جائے تو یہ معجزہ سے کیا کم ہے۔ صابری صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

فرزند رسولؐ سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام مدینہ منورہ میں کہیں جارہے تھے۔ دوپہر کا وقت، تیز دھوپ، راہ میں ایک خوشنما اور شاداب باغ نظر آیا۔ آپ استراحت

کے خیال سے اندر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک قوی ہیکل حبشی غلام کام کاج سے فارغ ہو کر گھنے درخت کے سائے میں پیٹ کی آگ بجھانے بیٹھا ہے ہاتھ میں جو کی ایک سوکھی روٹی ہے اور سامنے ایک کتا۔

حبشی نے روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھا بھوکے کتے نے اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ حبشی نے دوسرا ٹکڑا کتے کے سامنے ڈال دیا غرض یہی سلسلہ جاری رہا۔ حبشی غلام ایک ٹکڑا خود کھاتا تھا اور دوسرے ٹکڑے سے اپنے ناخواندہ مہمان کی تواضع کرتا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کو یہ واقعہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔ جو کی ایک سوکھی روٹی تنومند حبشی غلام ہی کی شکم سیری کے لیے نا کافی تھی لیکن وہ بھی اس نے تنہا نہ کھائی اور ایک کتے کو سہیم و شریک بنالیا۔

سیدنا امام حسن علیہ السلام نے آگے بڑھ کر حبشی سے پوچھا: تم صبح سے دوپہر تک باغ میں شدید محنت کے بعد خود کیوں بھوکے رہے اور ایک روٹی میں کتے کو کیوں شریک کرلیا۔

حبشی نے جواب دیا:

"یہ ایک روٹی یقیناً میرے لیے ناکافی تھی لیکن جب میں کھانے بیٹھا اور کتے نے میری طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا تو میرا دل کڑھا اور میری غیرت گوارا نہ کرسکی کہ میں خود تو کھاؤں اور یہ بے زبان تکتا رہے۔"

سیّدنا امام حسن علیہ السلام نے پوچھا:

"تمہارے مالک کا نام کیا ہے اور وہ کہاں رہتا ہے؟"

حبشی نے اپنے مالک کا نام و نشان بتادیا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: میں ایک ضروری کام سے جارہا ہوں۔ تم میرا انتظار کرو اور جب تک واپس نہ آؤں کہیں جانا نہیں۔

حبشی نے انتظار کا وعدہ کیا اور حضرت امام حسن علیہ السلام اس باغ کے مالک

کے ہاں تشریف لے گئے جو مدینہ منورہ کا ایک معزز شہری تھا۔ اس نے فرزند رسولؐ کی تشریف آوری کو باعث فخر و مباہات سمجھا اور عقیدت و مہمان نوازی کے تقاضے پورے کیے۔ تھوڑی دیر گفتگو کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام نے پوچھا:

کہ شہر کے باہر مشرقی گوشے میں جو ایک بڑا سا خوشنما باغ ہے وہ آپ ہی کی ملکیت ہے؟

مالک نے عرض کیا: جی ہاں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے پوچھا: اور وہ حبشی غلام جو باغ کی نگہداشت و سیرابی کے لیے متعین ہے کیا آپ ہی کا غلام ہے؟

مالک نے اس بات کا جواب بھی اثبات میں دیا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: باغ اور غلام دونوں کو خریدنا چاہتا ہوں۔ خریداری کی ضرورت شدید ہے جو قیمت طلب کیجئے ادا کر دوں گا۔ فرزند رسولؐ کے حکم کو کون ٹال سکتا تھا اور پھر خریدار بھی وہ جو منہ مانگی قیمت ادا کرنے کو تیار تھا اور جس کی فیاضی اور سیر چشمی کی داستانیں بچے بچے کی زبان پر تھیں۔ سودا کیوں طے نہ ہوتا۔

مالک کو وہ قیمت مل گئی جو اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھی اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے باغ اور غلام دونوں کو خرید لیا۔ اس کے بعد سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام دوبارہ باغ تشریف لائے۔ غلام اپنے کام میں مصروف تھا۔ آپ نے حبشی غلام کو آواز دی وہ قریب آیا تو آپ نے فرمایا:

"میں تمہارے مالک کے ہاں گیا تھا وہیں سے واپس آ رہا ہوں میں نے تمہیں بھی خرید لیا اور اس باغ کو بھی۔"

حبشی غلام نے اپنے آقا کو ادب سے سلام کیا اور اپنی وفاداری اور خدمت گزاری کا یقین دلاتے ہوئے عرض کیا: "میں اپنے نئے آقا کا نام معلوم کر سکتا ہوں؟

حضرت امامؑ نے فرمایا: "میرا نام حسنؑ ابن علیؑ ہے۔"

حبشی نے حضرت امام پاک کا نام کیا سنا کہ دل کی کلی کھل گئی محبوب خدا کے نواسے اور لختِ دل رسولؐ کے لختِ جگر کی خدمت گزاری سے بڑھ کر دین اور دنیا میں کیا شرف ہوسکتا ہے۔ حبشی نے ادب و عقیدت سے دامن عبا کو چوم کر عرض کیا:

"یا فرزند رسولؐ آپ کی خدمت گزاری کو میں دنیا میں سرخروئی اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بناؤں گا۔"

حضرت امامؑ پاک نے فرمایا: "تمہارے پاس شکم سیری کے لیے جو کی صرف ایک روٹی تھی اس میں بھی تم نے ایک بے زبان کو شریک کرلیا۔ اور خود بھوکے رہے.... میں تمہاری اس خداترسی اور رحم دلی سے بہت متاثر ہوا ہوں اور تم کو اللہ کی راہ میں آزاد کر کے یہ باغ تمہیں بطور انعام دے رہا ہوں۔"

ایک غریب حبشی غلام۔ برسوں کی غلامی کے بعد آزادی کا مژدہ اور ایک عالی شان قیمتی باغ کی ملکیت! جتنی خوشی بھی ہو کم تھی لیکن اسلام کے چشمہ فیض سے تشنگی بجھانے والے ایک غریب حبشی کی سیر چشمی ملاحظہ ہو کہ وہ حضرت امام حسنؑ کے قدموں پر گر کر عرض کرتا ہے:

"یا ابن رسولؐ اللہ جس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میری غلامی کی زنجیروں کو قطع کیا ہے اور جس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے آپ نے مجھے آزادی کی نعمت اور اس قیمتی باغ کی ملکیت عطا فرمائی ہے اسی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اظہار تشکر کے طور میں اس باغ کو غریب اور مسکین مسلمانوں کی امداد کے لیے وقف کرتا ہوں"۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

یہ تھا عباسؑ غازی کے بڑے بھائی حسنؑ مجتبیٰ کا کارنامہ جو انسانی دسترس سے باہر ہے یہی وجہ ہے کہ ہم آل محمدؐ کے گھرانے کی ہر عطا اور بخشش کو معجزہ اور کرامات سمجھ لیتے ہیں جبکہ یہ انسانوں کو اس کی عظمت کا درس دیتے ہیں۔

۳۴

بڑے امام باڑے کھارادر میں منبر رسولؐ کے پاس نصب علم حضرت عباس علیہ السلام سے پانی کی بوندیں ٹپکتی رہیں

۱۹۸۰ء صفر کے مہینہ میں رات کی مجلس کے بعد حاضرین نے دیکھا کہ منبر رسولؐ کے اوپر جو علم حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب ہے اس کے پنجہ پر پانی کی بوندیں نمودار ہیں اور وہ آپس میں مل جاتی ہیں۔ پھر پنجہ سے نیچے چاندی کی لٹکی ہوئی مشک پر آجاتی ہیں اور وہاں سے پھر یہ منبر کے بالائی حصے پر ٹپک جاتی ہیں۔

پانی کی بوندوں کو دیکھنا تھا کہ سقائے سکینہؑ کی عاشور والے دن کی بے کسی یاد کر کے لوگوں نے ماتم شروع کر دیا۔ اس معجزے کی اطلاع فوراً شہر کراچی میں ہوا کی طرح پھیل گئی۔ پھر کیا تھا۔ ہزار ہا آدمیوں کا سمندر اُمڈ آیا یہ سلسلہ تقریباً ایک مہینہ سے زیادہ رہا۔ لوگ اس پانی کو جمع کر کے اپنے بیماروں کے لیے لے گئے اور مولا عباسؑ نے ان کو شفا دی۔

۳۳

مہاراجہ گوالیار کی سواری زیر سائے علم حضرت عباسؑ

۱۹۰۵ء میں شہنشاہ جارج پنجم جبکہ وہ پرنس آف ویلز تھے ہندوستان آئے تھے ان کے ساتھ ایک صحافی مسمّی SIDNEY LOW بھی تھا اس نے ایک کتاب A VISION OF INDIA لکھی تھی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۰۷ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔ اس کتاب میں اس نے ایک تصویر دی ہے جو کہ ہندوستان کی ریاست گوالیار کے مہاراجہ سندھیا کے ہاتھی کی ہے۔ ہاتھی کے ہودہ پر دونوں طرف اور پشت پر علم حضرت عباس علیہ السلام کے پنجے نصب ہیں تا کہ مہاراجہ سندھیا علم کے سایہ میں عافیت سے رہے۔ (یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے)۔

سید رضا رضوی صاحب (شاہ گنج آگرہ) حال مقیم بہار کالونی جمشید روڈ کے پاس اصل کتاب موجود ہے۔

۳۴

حضرت علیؑ کے ہاتھوں ایک ہندی زائر کی مشکل کشائی

دوران مطالعہ میری نظر سے کتاب "مشاہدات بلاد اسلامیہ" از محترمہ محمودہ عثمان حیدر شائع کردہ علم مجلسی گرانٹ روڈ کراچی گزری جس میں جناب امیر علیہ السلام کی ایک مشکل کشائی کا تذکرہ تھا۔ دل نے کہا کہ بیٹے کی معجزہ نمائی میں مشکل کشاء کا تذکرہ کرتے چلو۔ تا کہ یادگار رہ جائے۔

اصلی مضمون جناب محترمہ محمودہ عثمان حیدر کی زبانی سنیئے:

نجف اشرف کے سلسلہ میں اس خواب کا ذکر غالبً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو میرے شوہر سید عثمان حیدر صاحب نے ایک شب بغداد میں دیکھا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ سید عثمان حیدر صاحب برطانوی سفارتخانہ بغداد میں ملازم تھے اور ان کے فرائض میں ہفتہ میں ایک بار عراق کی تمام قابل ذکر زیارت گاہوں کی حاضری شامل تھی تاکہ وہاں آئے ہوئے ہندوستانی زائروں کے پاسپورٹ کی جانچ پڑتال کر کے انہیں بتایا جائے کہ ان کی میعاد قیام ختم ہو چکی ہے اور اب انہیں سرزمین عراق سے رخصت ہو جانا چاہیے۔ نیز اگر کسی زائر کے پاس زادراہ ختم ہو گیا تو اس کے لیے روپیہ پیسہ کا انتظام کرنا اور اگر کسی اور مشکل سے دوچار ہے تو اس کی حتی الامکان بروقت مدد کی جائے۔

سید عثمان صاحب کا ہمیشہ سے یہ دستور تھا کہ جب بھی وہ نجف اشرف یا کوفہ جاتے تو پہلے کربلائے معلیٰ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقبرہ مبارک پر حاضری دیتے اور بعدازاں آگے سفر اختیار کرتے۔ ایک بار قضارا جب وہ اپنے ایک اسسٹنٹ کے ہمراہ کربلا تک ہی پہنچے تھے کہ انہیں سخت انفلوئنزا ہو گیا وہ وہاں سلام و فاتحہ کے بعد آگے جانے کا قصد کر ہی رہے تھے کہ ان کے اسسٹنٹ نے ان کی ناسازی طبع دیکھ کر مشورہ دیا کہ وہ واپس جا کر بغداد میں آرام کریں اور وہ خود دوسری زیارت گاہوں پر ہو آئے گا۔

اسی شب پچھلے پہر عثمان صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ایک لق و دق میدان ہے جس میں چھوٹی چھوٹی گھاس اگی ہوئی ہے اور اس میں ایک طرف بٹیا بنی ہوئی ہے جس کے کنارے ایک بڑے پتھر پر وہ خود بیٹھے ہوئے ہیں اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے ایک دوہرے جسم کے بزرگ جسم پر فاختی رنگ کی عبا جس پر چھوٹی چھوٹی سفید نکلیاں پڑی ہوئی ہیں سر پر سفید عمامہ اور ہاتھ میں ایک موٹا سا عصا ہے انتہائی متانت اور وقار کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔

ان بزرگ کو اول تو یہ اپنی جگہ بیٹھے دیکھتے رہے۔ پھر معاً انہیں خیال آیا کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ چنانچہ کھڑے ہو کر مودبانہ آداب بجالائے لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ بلکہ حضرت علیؑ نے انہیں دیکھ کر آہستگی سے دوسری جانب منہ پھیر لیا۔

عثمان صاحب کو خیال ہوا کہ شاید امیرالمومنینؑ نے مجھے دیکھا نہیں چنانچہ ان کے پیچھے پیچھے گئے اور قریب جا کر پھر سلام عرض کیا لیکن اس بار بھی جواب سے محروم رہے۔ اب تو انہیں بڑی فکر دامن گیر ہوئی۔ ایک بار ہمت کر کے پھر کچھ قدم ان کے پیچھے پیچھے گئے اور عرض کیا:۔

"حضور! اس خانہ زادے سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہے جو آپ ناراض ہیں۔ آپ میرے سلام کا جواب تک دینا گوارہ نہیں فرماتے حالانکہ میں تو آپ کی اولاد میں سے ہوں"۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:

"جو تم کہتے ہو وہ درست ہے لیکن کیا تمہارے فرائض میں نجف اور کوفہ کی حاضری شامل نہ تھی؟ کل تم کربلا تک آئے اور وہیں سے واپس لوٹ گئے۔ کیا یہ طرز عمل درست تھا؟"

یہ سننا تھا کہ عثمان صاحب کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے فوراً برطانوی سفارت خانہ کو ٹیلیفون کر کے ڈیوٹی افسر سے پانچ بجے اپنے بنگلے پر کار منگوائی۔

غرض کہ ٹھیک پانچ بجے کار آگئی اور وہ تنہا ہی کار میں روانہ ہو گئے۔ عراقی ڈرائیور سے انہوں نے فوراً نجف اشرف چلنے کے لیے کہا۔ وہ ان کی عادت سے واقف تھا کہ یہ سب سے پہلے سلام و فاتحہ کے لیے کربلا جاتے ہیں۔ چنانچہ اس نے انہیں بڑی معنی خیز تیکھی نظروں سے دیکھا۔ لیکن بولا کچھ نہیں۔

قصہ مختصر، نجف اشرف میں روضہ اقدس جناب امیرالمومنینؑ پر پہنچے۔ چاہتے تھے کہ سلام کی غرض سے اندر جائیں کہ دور سے ایک واقف کار متولی نے دیکھ کر آواز

دی۔ انہوں نے اشارے سے کہا کہ پہلے حاضری دے آؤں لیکن اس نے بالاصرار اپنے پاس بلایا۔ ناچار اس کے پاس گئے تو وہ بولا کہ آپ نے غضب کیا کہ کل تشریف نہیں لائے۔ کل ایک ہندی زائر کو ویزا کی میعاد ختم ہوجانے کے بعد عراق میں قیام کرنے کے جرم میں پولیس پکڑ کر لے گئی اور وہ شریف آدمی کل سے حوالات میں بند ہے۔ اگر آپ کل آجاتے تو وہ اس مصیبت اور ذلت و رسوائی سے بچ جاتا۔

عثمان صاحب نے کہا کل میرا نائب آیا تھا تم نے اس سے کیوں نہ کہا۔ وہ سب معاملہ ٹھیک کر لیتا۔

متولی نے کہا کہ افسر مجاز تو آپ تھے اس کا اس بات سے کیا تعلق؟ اگر آپ ایک ماہ تک نہ آتے تو پولیس اسے ایک ماہ تک نہ چھوڑتی۔

عثمان صاحب نے متولی کو اپنا خواب سنایا تو وہ کچھ دیر تو خاموش رہا پھر بولا کہ آپ اندر جائیے۔ سلام و فاتحہ کے بعد مولائے کائنات سے اپنی تقصیر کی معافی مانگیے ان کی بڑی سرکار ہے۔ امید ہے کہ معافی مل جائے گی۔ چنانچہ یہ سلام و فاتحہ کی غرض سے اندر گئے اور اپنی کوتاہی کی معافی چاہی۔ اس کے بعد تھانہ گئے۔ متعلقہ افسران سے ملے۔ بہت سے فارموں پر دستخط کیے۔ طعام و قیام کے اخراجات ادا کر کے رسید لی اور بعدازاں ہندی زائر کو جو پردیس میں اس ناگہانی افتاد سے کافی ہراساں تھے رہا کرا کے اپنے ساتھ گھر لائے۔

ان ہندی زائر سے میرا بھی تعارف کرایا گیا۔ روانگی سے قبل تک وہ ہمارے ہاں بطور مہمان مقیم رہے۔ غالباً امروہہ کے سادات میں سے تھے۔ نام یاد نہیں رہا۔ نیک اور شریف آدمی تھے۔ اثنائے گفتگو عثمان صاحب نے ان سے خواب کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ اگر خواب میں اشارہ نہ ہوا ہوتا تو وہ اگلے ہفتہ نجف اشرف جاتے اور تب ہی زندان بلا سے ان کی رہائی عمل میں آتی۔

ہندی زائر مولا مشکل کشا کی مشکل کشائی پر بطور اظہار تشکر رو دیے۔ اور دیر تک

ہچکیاں لے لے کر روتے رہے۔ ہم لوگ بھی ان کی یہ حالت دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

(سید رضا رضوی کے شکریہ کے ساتھ)

۳۵

علم مبارک حضرت عباسؑ پر شبیہیں نظر آنے لگیں

کربلا ہے جرأتِ انکار سے تنسیخ کفر
کربلا ہے اصل میں بنیادِ اسلامی نظام

(انعام درانی)

بحوالہ کتاب "ہائے بے پر حسینؑ کا ماتم" صفحہ نمبر ۱۴۱ میں ایک معجزہ تحریر ہے جس میں چکوال کے گاؤں ریتا سیداں کے سید ولایت شاہ کی حویلی پر ایک علم بیادِ حضرت عباسؑ علمدار نصب ہے۔ ان کی بیٹی نسیم فاطمہ جو اپنے گاؤں میں نیک بی بی کے نام سے موسوم تھی اس نے فروری ۱۹۸۱ء میں اعلان کیا کہ ہمارے گھر پر معجزہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ ٹھیک نو روز دالے دن مکان کے اوپر نصب علم مبارک کا پنجہ ایک دم سے سرخ ہو گیا اور اس پنجہ پر مختلف شبیہیں نظر آنے لگیں۔

اب کیا تھا یہ خبر سارے گاؤں میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ قرب و جوار کے دیہات اور ملک کے دوسرے علاقوں سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں آنے لگے۔ علم آج بھی ولایت علی شاہ کی حویلی پر نصب ہے اور وہ لوگ بھی کافی تعداد میں زندہ ہیں جنہوں نے یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

باب المراد

جب زبان پر کبھی آجاتا ہے نام عباسؑ
دیر تک ہونٹوں سے خوشبوئے وفا آتی ہے

ذیشان حیدر جوادی

انسانی زندگی میں فارق عادت اور غیر معمولی افعال کا صادر ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ آئے دن نئے نئے انکشافات ہوتے رہتے ہیں اور صبح و شام تازہ بہ تازہ ایجادات عالم ظہور میں آتی رہتی ہیں۔

فکر ونظر اور علم و ہنر کی دنیا میں وہ مناظر مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں جن کا تصور بھی تقریباً محال تھا۔

کون سوچ سکتا تھا کہ زمین پہ رہنے والا انسان خلاؤں میں پرواز کرے گا۔

کس کے تصور میں تھا کہ گھر کی محدود فضا میں زندگی گزارنے والا ایک لمحے میں آفاق کی دسعتوں میں سیر کرے گا۔

کس کے وہم و گمان میں تھا کہ آن کی آن میں دنیا بھر کی خبریں اور تصویریں نگاہوں کے سامنے آجائیں گی۔ نہ کوئی جگہ قابل جستجو رہے گی نہ کوئی مرض ناقابل علاج رہ جائے گا۔

خطۂ ارض کا گوشہ گوشہ انسانی قدموں کا روندا ہوا ہوگا اور جسم انسانی کی ایک ایک رگ طبیب حاذق کے ہاتھ میں ہوگی۔

یہ غیر معمولی اعمال اور خارق عادت ایجادات صبح و شام کے نظارے بن چکے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے یہ تصور انتہائی لغو ہے کہ انسان غیر معمولی اعمال پر قادر نہیں ہے یا خارق عادت افعال انجام نہیں دے سکتا۔

فرق صرف یہ ہے کہ یہ سارے اعمال و ایجادات اپنے مادی اسباب کے تحت

عالمِ ظہور میں آتے ہیں۔

فضا پیما آلات اور فلک سیر سیارات اپنے مخصوص اسباب و آلات کے تابع ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ فکر انسانی کے درجات و مراتب کی بناء پر ایک انسان اس درجۂ انکشاف تک پہنچ جاتا ہے اور دوسرا نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ منزل تک پہنچ جانے والا غیر معمولی اسباب کی بناء پر پہنچ گیا ہو یا اس کے مادی اسباب ہی نہ ہوں۔ اسباب سب موجود ہیں، صرف ذہن کی رسائی درکار ہے جس کا ذہن رسا ہو گیا وہ موجد کہا گیا اور جس کا ذہن رسائی نہ پاسکا وہ متبع شمار کیا جانے لگا۔

مذہبی دنیا میں ''کرامت و اعجاز'' کا سلسلہ اس سے مختلف ہے۔ یہاں غیر معمولی اور خارق عادت کا ظہور ہوتا ہے۔ لیکن ان کے عام مادی اسباب نہیں ہوتے۔ ان کا تعلق تمام تر روحانی اسباب اور ربانی فیوض و برکات سے ہوتا ہے۔ مادی اسباب کے تحت منظر عام پر آنے والے غیر معمولی عمل کو ایجاد و انکشاف کہتے ہیں اور غیر مادی اور غیر معمولی اسباب کی بناء پر منصۂ شہود پر آنے والے عمل کو کرامت و اعجاز۔

کرامت و اعجاز کی دنیا کا کوئی تعلق عالم مادیت سے نہیں ہے۔ اس کے اسباب عام عالمِ اسباب میں تلاش نہیں کیے جاسکتے۔ اس کے ظہور میں مالک کی عنایت اور رب العالمین کے فیض و کرم کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔

صاحبِ ایجاد و انکشاف سینکڑوں اور ہزاروں ہوسکتے ہیں۔ لیکن صاحبِ ''کرامت و اعجاز'' بہت کم ہوتے...... ''کرامت و اعجاز'' کے لیے روحانی کمال اور معنوی ارتقاء درکار ہے اور معنوی ارتقاء کی منزل تک پہنچنے کے لیے ریاضت نفس، اطاعت الٰہی، بندگی رب، تسلیم و رضا جیسے عظیم جذبات درکار ہیں۔ جن کا وجود ہر فرد و بشر میں ممکن نہیں ہے۔

''کرامت و اعجاز'' میں بھی باہمی طور سے ایک نازک فرق پایا جاتا ہے۔

کرامت! کا تعلق کبھی خدائی دعوے کے اثبات اور منصب کے اظہار سے ہوتا

ہے اور کبھی یہ کرامت صرف ضرورت مندوں کی حاجت روائی اور بے نواؤں کی مشکل کشائی سے متعلق ہوتی ہے۔

پہلی قسم کے غیر معمولی اعمال کو معجزہ کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کے اعمال کو کرامت۔

معجزہ و کرامت دونوں ہی بلند نفس اور پاکیزہ کردار کے طالب ہیں۔ دونوں ہی کے لیے عظیم عرفان اور غیر معمولی روحانیت درکار ہے۔ لیکن صاحبِ اعجاز کا مرتبہ کچھ بلند ہوتا ہے۔

وہ اپنے منصب کی بناء پر ایک مزید امتیاز کا حامل ہوتا ہے۔ اُسے رب العالمین خصوصی اعتماد کے قابل سمجھ کر منصب بھی عنایت کرتا ہے۔ صاحب کرامت کا یہ انداز نہیں ہوتا ہے وہ بلند نفس اور بلند کردار ضرور ہوتا ہے لیکن صاحب منصب و عہدِ الٰہی نہیں ہوتا۔ جس کے بعد یہ واضح ہے کہ صاحبِ اعجاز ہونا ایک خدائی دین اور ربانی عطیہ ہے۔

اور صاحب کرامات ہونا اتنا بلند مرتبہ نہ ہونے کے باوجود کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے بھی بڑی روحانیت و معنویت اور عظیم تر علم و عرفان درکار ہے۔

دورِ حاضر میں ہر مرنے والے کو ''صاحب کرامات'' سمجھ لینا اور ہر ایک کی قبر سے توسل کرنا ایک رسم عام بن گیا ہے۔

توسل کرنے والے کو صاحبِ قبر کا اسم و رسم تک نہیں معلوم ہوتا اور وہ گرد قبر اعتکاف کر کے مسلسل مرادیں مانگتا رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کرامت ہونے کے لیے کوئی شرط ہی نہیں ہے اور اس کے لیے کسی روحانی مرتبے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہی جہالت تھی جس نے وہابیت کی تحریک کو آگے بڑھایا اور یہ تحریک روز بروز آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

متوسلین و معتقدین کے اژدھام کے باوجود جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبر ہی نہیں ہے یا کسی جانور اور پست ترین انسان کی قبر ہے۔

ایسے حالات میں مرادیں پوری ہونے کا پروپیگنڈہ قہری طور پر ایک ذہنی ردعمل پیدا کرتا ہے اور مذہب سے بیزاری کا جذبہ عام ہوجاتا ہے۔ وہابیت کی تحریک ایسے ہی مواقع کی تلاش میں رہتی ہے کہ مذہب سے بیزاری کا جذبہ پیدا ہو اور وہ اپنی تحریک کے لیے راہیں ہموار کرلے۔

''ہوشمند انسان'' اور دانش جو طالب علم کے لیے یہ بڑا آزمائشی لمحہ ہے۔ اس کا ذوق مذہب توسل اور توجہ پر مجبور کرتا ہے اور اس کے گرد وپیش کے حالات بدگمانی اور بدظنی کی فضا ہموار کرتے ہیں۔

ضرورت ہے کہ کوئی ایسا معیار مقرر کرلیا جائے جس سے بزرگانِ ملت کی عظمت و برتری بھی برقرار رہے اور ''قبر پرستی'' جیسے توہمات کو فروغ بھی نہ ملنے پائے۔

اسلامی نقطہ نظر سے ایک عام مردمومن کا احترام بھی موت وحیات میں مختلف نہیں ہوتا اور مرنے کے بعد اس کا وہی احترام باقی رہ جاتا ہے جو حالت حیات میں تھا۔

اولیاء خدا اور خاصان رب کی منزل اس سے بلند تر ہے۔ اُن سے تو یہ توقع قطعی صحیح اور بجق ہے کہ وہ بعد موت بھی اسی طرح رہ نمائی اور حاجت روائی کرتے رہیں گے جس طرح حیات کی حالت میں کیا کرتے تھے۔

عام افراد کے بارے میں یہ تصور بھی قطعی ہے کہ وہ نہ حالتِ حیات میں کچھ کرسکتے تھے اور نہ بعد الموات ہی کچھ کرسکتے ہیں۔

مسئلہ صرف یہ ہے کہ کون ''ولی خدا'' اور ''خاصہ رب'' ہے اور کس میں ان صفات کا فقدان ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کا معیار عوام کی رائے کو نہیں قرار دیا جاسکتا۔ وہ تو بہر حال ہر قبر کے گرد جمع رہتے ہیں اور ہر خاص و عام کو ولی و مرشد تصور کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں صاحبِ قبر کی تحقیق کرنا بھی ولایت کی توہین اور ایک قسم کا کفر ہے۔ ان کے معتقدات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ضرورت ہے کہ ان کی رائے سے ہٹ کر کوئی معیار تلاش کیا جائے اور اس کی روشنی میں ولی وغیر ولی کے درمیان خط فاصل کھینچا جائے۔

بظاہر یہ مسئلہ زیادہ دشوار نہیں ہے اور اس کا واحد حل یہ ہے کہ کرامت کے مفہوم پر غور کرلیا جائے اور پھر حالات کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے۔

کرامت! ایک خدائی عطیہ اور ربانی فضل ہے جس کے بعد بندہ اس قدر صاحب اختیار ہوجاتا ہے کہ حیات و موت دونوں حالات میں رہنمائی اور حاجت روائی کرسکتا ہے اور اس کا فیصلہ صرف خدا کے ہاتھ میں ہے کہ اس نے کس کو یہ حیثیت دی ہے اور کسے نہیں دی۔ کس کے شامل حال یہ فضل کیا ہے اور کس کو اس فضل سے محروم رکھا ہے۔ وہ جسے صاحب فضل کہہ دے گا، صاحب فضل ہوگا۔ کائنات میں کوئی اس کے پاس آئے یا نہ آئے اور وہ جسے صاحبِ فضل نہ کہے گا وہ صاحب کرامت نہ ہوگا چاہے ساری کائنات اس کی بارگاہ میں جمع ہوجائے۔

اُس کے کہنے کے انداز بھی مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی وہ خود اعلان کرتا ہے اور کبھی اپنے مستند صاحب منصب کے ذریعے اعلان کروا دیتا ہے اور جس کی شخصیت و حیثیت کو غیر معمولی کہہ دیتا ہے وہ صاحب کرامات ہوجاتا ہے اور جس کو ایک عام انسان سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا وہ صاحب کرامات نہیں قرار پاتا۔

حضرت عباسؑ کے صاحب کرامات ہونے کی بہترین دلیل یہ ہے کہ انہیں الٰہی منصب دار، سبط رسول الثقلین حضرت امام حسینؑ نے ایک عظیم مرتبہ کا حامل بتایا ہے اور اپنی طرف سے ''باب المراد'' قرار دیا ہے۔ اب امام حسینؑ سے طلب فیض کرنے والا حضرت عباسؑ کے در پر آئے گا اور امام حسینؑ کی بارگاہ میں رسائی کا طلب گار حضرتِ عباسؑ کی چوکھٹ پر سرِ نیاز جھکائے گا۔

حضرت عباسؑ صاحبِ علم و عرفان بھی ہیں اور صاحبِ روحانیت و معنویت بھی۔ ان کے فضائل و کمالات اور ان کے مراتب و مناقب کے بارے میں مختلف معصومین

کی شہادتیں موجود ہیں۔

اُن کی عظمت و برتری کا مُسلّم ہونا یقینی ہے اور انہیں مالک کی طرف سے کرامت و امتیاز کا عطا ہونا کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے۔

واقعۂ کربلا سے آج تک کی تاریخ پر نظر رکھنے والا انسان جانتا ہے کہ حضرت عباسؑ سے اس قدر کرامات کا ظہور ہوا ہے کہ شاید ہی کائنات میں کسی ''فرد بشر'' سے اتنی کرامات کا ظہور ہوا ہو۔

زائرین کربلا کی رہنمائی، صاحبانِ حاجت کی حاجت روائی، اسیران مشکلات کی رہائی وہ بے شمار مواقع ہیں جہاں حضرت عباسؑ یا ان کے آثار و فیوض و برکات کا مسلسل مشاہدہ کیا گیا ہے۔

واقعات کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ان کے نقل کرنے کی کوئی خاص افادیت ہے۔

واقعات وہاں نقل کیے جاتے ہیں جہاں واقعہ کسی معصوم سے متعلق ہوتا ہے۔ تو اسے سند بنایا جاتا ہے یا واقعے کی مدت گزر چکی ہوتی ہے تو اس کی یاد دلوں میں تازہ رکھی جاتی ہے۔

لیکن جہاں مدت کے تمام ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اور صاحب کرامت ہر آن حاجت روائی کے لیے تیار ہے، وہاں واقعات کی نہیں جذبات و توجہات کی ضرورت ہے۔

آج بھی کوئی انسان کرامات و کمالات کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے تو صدق دل سے ''باب المراد'' کی بارگاہ میں آئے۔ یا اُن سے توسل کرے۔ ان شاء اللہ مراد ضرور پوری ہوگی۔

اور بعض واقعات سے تو یہاں تک اندازہ ہوتا ہے کہ اکثر اوقات روضۂ حضرت سید الشہداؑ سے مراد پوری نہیں ہوئی تو صاحب ضرورت روضۂ ابوالفضلؑ میں آیا اور

مراد پوری ہوگئی۔

اور جب یہ سوال اٹھایا گیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ تو جواب ملا کہ ''عباسؑ'' باب المراد ہیں، عباس باب الحسینؑ ہیں۔ دروازہ چھوڑ کر منزل تک آنے والا بامراد نہیں ہوسکتا۔ مراد حاصل کرنا ہے تو باب المراد تک جاؤ اور حسینؑ کی بارگاہ سے کچھ لینا ہے تو دروازے کی طرف سے آؤ۔

بعض اعلام امت کا زیارت امام حسینؑ سے پہلے زیارت حضرت عباسؑ کے لیے جانا اسی نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ منزل تک پہنچنے کا واحد وسیلہ ''دروازہ'' ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ ترتیب شرط نہیں ہے اور اس کے برخلاف بھی ہوسکتا ہے۔

اس لیے کہ عباسؑ معنوی اعتبار سے ''باب الحسینؑ'' ہیں۔ صرف ظاہری اعتبار سے نہیں۔ زیارت میں یہ ترتیب بھی نہ رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ذہن میں یہ ضرور رہنا چاہیے کہ مولاؑ کا فیض حضرت ابوالفضل کے ذریعے ملے گا اور حضرت ابوالفضلؑ سے جو کچھ ملتا ہے وہ امام حسینؑ ہی کا فیض وکرم ہے۔

تاہم مولفین ومصنفین کی رسم ہے کہ جذبۂ عقیدت ومحبت کی تسکین کے لیے بعض ایسے واقعات درج کر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ تبرکاً یہاں بھی بعض واقعات کا اندراج کیا جاتا ہے اور ان واقعات میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ان سے کرامت ابوالفضلؑ کے علاوہ بھی کسی نکتے کا علم حاصل ہوسکے!

(۱) آیۃ اللہ خاتم المجتہدین حضرت شیخ مرتضٰی انصاری طاب ثراہ کے شاگرد رشید آقائے شیخ عبدالرحیم شوستری متوفی ۱۳۱۳ھ کا بیان ہے کہ زیارت سید الشہداؑ سے فارغ ہونے کے بعد حرم ابوالفضل میں آیا۔ مشغول زیارت ودعا تھا کہ ایک مرتبہ ایک شخص عرب اپنے مفلوج بچے کو لے کر آیا اور ضریح ابوالفضلؑ سے باندھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بچہ صحت یاب ہوگیا اور وہ عرب خوش خوش اسے لے کر چلا گیا۔

میرے دل پر اس واقعے کا بے حد اثر ہوا اور میں نے کہا یا ابا الفضلؑ! کیا آپ

کی نظر میں میری ایک عام عرب کے برابر بھی قیمت نہیں ہے کہ اس کا مدعا فوراً پورا ہوگیا اور میں اتنی دیر سے مانگ رہا ہوں اور میری مراد پوری نہیں ہوتی۔

یہ کہنے کے بعد معاً ذہن میں خیال آیا کہ یہ سوءِ ادب ہے۔ مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ فوراً توبہ و استغفار کیا اور حرم سے باہر نکل آیا۔

نجف اشرف آنے کے بعد شیخ انصاری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے دو تھیلیاں عطا کیں اور فرمایا کہ ایک سے مکان خرید لینا اور ایک سے حج کے لیے جانا۔

میں یہ دیکھ کر متحیر رہ گیا اور بے حد شرمندہ ہوا۔ اس لیے کہ میں نے حضرت عباسؑ سے اتنا ہی مطالبہ کیا تھا۔

اس واقعے سے جناب عباسؑ کی عظمت کے علاوہ شیخ انصاری جیسے غلامانِ عباسؑ کی جلالت قدر اور اُن کی بلندی کردار کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

ایک حضرت عباسؑ تھے جنہوں نے اپنے سائل کو نامراد نہیں پلٹایا۔ ایک شیخ انصاری تھے جنہیں ''باب المرادؑ'' کی طرف سے وسیلہ قرار دیا گیا اور ان کے ہاتھوں برکات تقسیم کیے گئے۔

اور ایک آقائے شوستری تھے جنہیں عام بشری جذبات نے ''اسائت ادب'' پر آمادہ کر دیا تو توجہ کے بعد فوراً توبہ و استغفار کرلیا کہ حضرت عباسؑ کی جلالت بہت بلند ہے۔ ان کی بارگاہ میں کوئی نامناسب کلمہ نہیں کہا جاسکتا۔ توبہ و استغفار عزت و عظمت کا وسیلہ ہے، توہین و ذلت کا ذریعہ نہیں۔

ارباب علم کے لیے یہ واقعہ شمع راہ ہے۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ اگر جلیل القدر بارگاہوں میں کوئی بھی ''اسائت ادب'' ہوجائے تو فوراً توبہ و استغفار کریں اور اپنے دامن مراد کو گوہر مقصود سے مالا مال کرلیں۔

(۲) علامہ سیّد نصر اللہ الحائری طاب ثراہ کا بیان ہے کہ میں حرم ابوالفضلؑ میں خدام کے ساتھ بیٹھا تھا۔ کہ ایک مرتبہ حرم کے اندر سے ایک عرب روتا ہوا نکلا۔ اس

کی ایک انگلی کٹی ہوئی تھی اور اس سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ میں نے اسے روک کر پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

اُس نے کہا کہ یہ انگلی حضرت عباسؑ نے کاٹ دی ہے۔ میں فوراً حرم کے اندر آیا اور دیکھا کہ وہ انگلی ضریح سے معلق ہے اور اس میں ایک قطرۂ خون بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اس شخص نے حرم اقدس میں کوئی بے ادبی کی تھی اور اس کی سزا اسے دی گئی ہے۔ دوسرے دن وہ شخص شدتِ الم سے انتقال کر گیا۔

(۳) خطیب شہیر علامہ شیخ محمد جواد نے علامہ اجل شیخ جاسم فام کے حوالے سے بعض خطباء ایران کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ایران کا ایک صاحب ثروت انسان کاظمین میں مقیم تھا اور وہ برابر لوگوں کو مخصوص کے مواقع پر زیارت امام حسینؑ کے لیے بھیجا کرتا تھا۔ ایک سال حالات خراب ہوگئے اور وہ معذور ہوگیا۔ دفعتاً خیال آیا کہ مجھے زوار کو بھیجنا چاہیے۔ اس کے بعد جو بھی حشر ہوگا دیکھا جائے گا۔

جانور کرایہ پر لیے اور کہا کہ کرایہ کربلائے معلیٰ میں دوں گا۔ زوار کو جمع کیا اور قافلہ کو لے کر چلا۔ حرم امام حسینؑ میں آ کر فریاد کی!

"مولاؑ! آپ کے زوار کو لایا ہوں۔ ان کو کرایہ عطا کیجیے۔" کوئی جواب نہ ملا۔ دِل نے آواز دی۔ تو نے غلطی کی۔ دروازے کے بغیر منزل تک آ گیا۔ جا اور جا کر عباسؑ سے التماس کر۔ میں فوراً حرم ابوالفضلؑ میں آیا اور یہی گزارش کی۔

ابھی میری التجا تمام نہ ہوئی تھی کہ ایک شخص نے ایک تھیلی لا کر دی جس میں میری ضرورت سے کہیں زیادہ درہم و دینار تھے۔ میں خوش خوش پلٹ آیا اور سب کا کرایہ ان کو دیا۔ (قمر بنی ہاشم مقرمؒ۔)

(۴) آقائے عباس طباطبائی کا بیان ہے کہ میں کربلا میں مشغولِ درس تھا۔ ایک مرتبہ حرم حضرت عباسؑ میں شور ہوا کہ معجزہ ہوگیا ہے۔ میں دوڑ کر حرم میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جم غفیر ہے اور اس کے درمیان ایک عورت بے ہوش پڑی ہے اور

ایک طوق حرم کی ایک قندیل میں معلق ہے۔ سمجھ میں نہ آیا کہ آخر ماجرا کیا ہے؟

تھوڑی دیر کے بعد اُس کے اعزاء و اقرباء آگئے اور سب نے مل کر بے حد آہ و زاری اور نالہ و فریاد کیا۔ بہ مشکل وہ عورت ہوش میں آئی۔ تو اس نے بیان کیا کہ میرا بچہ بیمار تھا میں نے نذر مانی تھی کہ جب شفایاب ہوجائے گا تو میں یہ طوق روضۂ حضرت عباسؑ میں نذر کروں گی۔

بچہ شفایاب ہوگیا تو میں ایفائے نذر کے لیے آئی۔ یہاں آ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ طوق بہت قیمتی ہے۔ اب کام نکل چکا ہے بہتر ہے کہ اس کے بدلے سونا چڑھا دیا جائے۔ (درحقیقت یہ اس جذبے کی سزا تھی ورنہ بارگاہِ ابوالفضل کو کسی کے طوق و زنجیر کی ضرورت نہیں ہے۔ ایفائے نذر کرنے والا روزِ قیامت جواب دہ ہوگا اور اسے مالک کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔)

یہ خیال آنا تھا کہ ایک پرچھائیں سی نظر آئی اور میں بیہوش ہوگئی۔ (موسع الغموم ص ۳۳)

(۵) ایک عظیم فضل و کرم جو خود حقیر کے شامل حال ہوا۔ ۱۹۵۷ء یا ۱۹۵۹ء کا زمانہ تھا۔ میں نجف اشرف میں مشغول تحصیل تھا۔ میرے ہمراہ والدہ گرامی بھی وہیں مقیم تھیں۔ ذی الحجہ کا مہینہ آیا تو والدہ محترمہ نے فرمایا کہ عشرۂ محرم کربلائے معلیٰ میں کرنا ہے۔ میں نے عرض کی کہ امسال حالات اچھے نہیں ہیں۔ یہاں کرایہ کا مکان موجود ہے اور کربلا میں مکان کرایہ پر لینا پڑے گا۔ اس زمانے میں کرایہ وغیرہ بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس سال نجف اشرف کا محرم کیا جائے۔

وہ بے حد غمگین ہوئیں اور ان کا اصرار جاری رہا کہ کربلا جانا ضروری ہے۔ میں نے عرض کی کہ ہم لوگ محرم سے قبل دورہ کی زیارت کے لیے چلیں۔ ایک، ڈیڑھ دینار اپنے پاس ہے۔ اس میں یہ زیارتیں ہوجائیں گی۔ واپسی میں تیسری چوتھی محرم کو ایک روز کربلائے معلیٰ میں قیام کر کے نجف اشرف واپس آجائیں گے۔

۲۷ / ۲۸ / ذی الحجہ کو ہم لوگ روانہ ہوئے۔ پہلے کربلا آئے۔ یہاں مکان کے

بارے میں دریافت کیا تو ایک ہوٹل میں ایک کمرہ کا کرایہ دس دینار بتایا گیا۔

ظاہر ہے کہ یہ مقدار اپنے تصور سے بالاتر تھی۔ اس لیے ہم لوگ شام کو کاظمین کے لیے روانہ ہوگئے۔ وہاں ایک روز قیام کرکے سامرہ چلے گئے۔ دو روز وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد واپس ہوتے ہوئے پھر کربلا آئے۔

کربلائے معلیٰ میں آقائے حجتہ الاسلام مولانا سیّد حسن الرضوی دام ظلہ لکھنوی مستقل طور پر قیام پذیر ہیں اور ہر سال اپنے گھر میں عشرۂ محرم کرتے ہیں اور خود ہی ذاکری فرماتے ہیں۔

میں حسب روایات اس مجلس میں حاضر ہوا تو ان کے فرزند عزیز محترم علامہ سیّد سلیمان الرضوی نے بعد مجلس کہا کہ آپ ذرا ٹھہر جائیے گا۔ والد ماجد کو آپ سے کچھ کام ہے۔ میں حسب خواہش حاضر ہوا تو جناب موصوف نے فرمایا کہ ایک صاحب افریقہ سے آئے ہیں اور آپ کی کوئی امانت لائے ہیں۔

اُس وقت تک میرا کوئی رابطہ افریقہ سے نہیں تھا۔ میرے برادر معظم حجتہ الاسلام مولانا السید علی عابد الرضوی دام ظلہ (جو عرصۂ دراز سے افریقہ میں قیام پذیر ہیں) بھی عراق میں زیر تعلیم تھے۔ مجھے سخت حیرت ہوئی کہ افریقہ سے میرا کیا تعلق ہے؟

میں نے عرض کیا کہ وہ بزرگ کہاں ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اب کل مجلس میں ملیں گے۔

برادر علاّم بھی بسلسلۂ عشرۂ محرم وہیں مقیم تھے۔ میں نے بمشکل تمام انہیں کے ساتھ ایک مختصر کمرہ میں قیام کیا اور دوسرے دن بھی گیا تو بعد مجلس ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے ڈائری دیکھ کر پوچھا کہ سیّد ذیشان حیدر آپ کا نام ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔

انہوں نے فرمایا اور سیّد علی عابد رضوی؟ میں نے کہا کہ وہ میرے بڑے بھائی ہیں؟

انہوں نے کہا کہ آپ دونوں کی امانتیں میرے پاس ہیں۔

میں نے کہا کہ افریقہ میں میرا کوئی شناسا نہیں ہے۔ غالباً آپ کو اشتباہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے پھر ڈائری کو دیکھا اور کہا نام یہی لکھے ہیں۔ میں نے کہا بڑی مشکل کی بات ہے کہ اس نام کا میرے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ بہرحال میں آپ کی امانت لیے لیتا ہوں۔ اب اگر دوسرا مستحق نکل آیا تو ذمے داری آپ پر ہوگی۔ میں واپس کرنے کے لائق نہیں ہوں۔

انہوں نے خوشی سے اس شرط کو منظور کرلیا اور دے کر چلے گئے۔ میں مولانا کے کرم اور اپنی دعاؤں کی قبولیت پر خوشی خوشی گھر واپس آیا اور والدہ ماجدہ کو واقعے کی اطلاع دی۔ وہ بھی بے حد مسرور ہوئیں۔

اسی دن کرائے پر مکان لے لیا اور عشرۂ محرم بھر کربلائے معلیٰ میں قیام کیا۔ سرزمین کربلائے معلیٰ کی یہ برکت اور باب الحوائج حضرت عباسؑ کی بارگاہ سے یہ انعام حقیر کی زندگی کا وہ یادگار واقعہ ہے جسے تاحشر نہیں بھلایا جاسکتا۔

اب تک کئی مرتبہ افریقہ جانے کا اتفاق ہو چکا ہے اور برادرِ علام دام ظلہ ۲۲ سال سے وہاں مقیم ہیں۔ لیکن آج تک نہ معلوم ہوسکا کہ اس رقم کا بھیجنے والا یا لانے والا کون تھا۔

ظاہر ہے کہ اس کو حضرت ''بابُ المرادؑ'' کے فیض و کرم کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ اس میں میری پریشانیوں سے زیادہ میری والدۂ گرامی کے اخلاص کا دخل ہے۔

بارگاہِ ابوالفضلؑ میں ان کا اخلاص عجیب و غریب حیثیت رکھتا ہے۔ خدائے کریم اس اخلاص میں اضافہ فرمائے اور ہر صاحبِ ایمان کو ان فیوض و برکات سے استفادہ کرنے کا موقع دے! والحمد للہ اولاً و آخراً۔

''زیارت قبر مطہر حضرت عباس علمدارؑ''

محمد رضا مرچنٹ

جب سے مَیں نے بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری کی Vedio Casset دیکھی تھی اور انہیں قبر مبارک حضرت عباس علمدارؑ جو کہ سرداب میں ہے جاتے ہوئے دیکھا تھا مجھے بھی دِلی خواہش ہوئی کہ میں کسی صورت سے قبر مطہر کی زیارت کروں لہٰذا میں نے اس خواہش کے بر آنے کے لیے نماز حضرت ام البنینؑ پڑھنا شروع کی۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو ہم کربلا معلیٰ پہنچے اور اس حاجت کی بر آوری کے لیے حرم حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت عباس علمدارؑ میں نماز حضرت ام البنینؑ پڑھتا رہا اور پروردگار عالم کو ام البنینؑ کا واسطہ دے کر دعا کرتا رہا کہ مجھے اور ''انجم'' کو قبر مبارک کی زیارت نصیب ہو۔

بروز جمعرات ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو بعد نمازِ فجر ہم نے حرم حضرت عباسؑ میں متعین خدام سے التجا کی کہ چاہے کوئی صورت ہو ہمیں حضرت عباسؑ کی قبر مبارک کی زیارت کرائی جائے۔ خدام نے قبر مطہر حضرت عباس علمدارؑ تک رسائی کو ناممکن بتلایا ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اندر جانے کے دروازے کی چابی بغداد میں کسی ''بڑے صاحب'' کی تحویل میں ہوتی ہے اور اس لیے یہ کوششیں عبث ہیں۔ خدام سے گفتگو کے دوران ''انجم'' نے بے نظیر بھٹو کا حوالہ دیا کہ وہ کیسے اندر گئیں تھیں جس کے جواب میں خدام نے ازراہِ تمسخر کہا کہ کیا آپ بے نظیر بھٹو ہیں؟

ہم بہت ہی افسردہ ہوگئے اور حرم پاک میں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد ایک انجانے صاحب جو شاید ہماری گفتگو سن رہے تھے ہمارے پاس آئے اور کہا کہ آپ فلاں جگہ جا کر فلاں صاحب سے ملیں وہ ان شاء اللہ آپ کو قبر مطہر تک پہنچا دیں

گے۔ ان کی بتائی ہوئی جگہ پر ہم ان صاحب سے ملے۔ ان صاحب نے کچھ شرائط پر ہمیں ایک صاحب کے ہمراہ روانہ کیا (شرائط چوں کہ وعدہ کی بنیاد ہوئی تھیں لہٰذا انہیں یہاں بیان نہیں کیا جاسکتا) وہ صاحب اپنے ہمراہ ایک اور شخص اور ہمیں لے کر حرم کے صحن میں ایک دروازے کے پاس آئے جو کہ چاندی کا بنا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے ہمراہی کو حکم دیا کہ دروازے کو چابی سے کھولا جائے۔ دروازہ کھولا گیا اور میں انجم اور وہ دونوں صاحبان اندر داخل ہوئے پھر دروازے کو فوراً اندر سے بند کر دیا گیا۔ حرم میں موجود بہت سے لوگوں نے اندر آنے کی کوششیں کیں جنہیں روک دیا گیا۔

چاندی کے دروازے کے اندر فرش پر ایک لوہے کی جالی کا دروازہ بنا ہوا تھا جس پر ایک تالا لگا ہوا تھا۔ ان صاحب نے اس تالے کو کھولا اور جالی کے دروازے کو اوپر کیا اندر کی جانب ایک ماربل کی سیڑھی بنی ہوئی تھی ان صاحب نے اپنا عمامہ اور چوغہ اتارا اور اسے اپنے ہمراہی کے حوالے کیا اور خود سیڑھی سے نیچے اُترنے لگے۔ مجھے اور انجم کو بھی نیچے اُترنے کے لیے کہا۔ اس طرح وہ صاحب ان کے پیچھے میں اور میرے پیچھے انجم سیڑھی سے نیچے اُترنے لگے۔

ان صاحب کے ہمراہ جو شخص تھا وہ اوپر لوہے کے دروازے کے پاس ہی کھڑا رہا۔ سیڑھی ختم ہونے پر جو کہ تقریباً سات، اٹھ Step تھی ٹخنوں کے کچھ اوپر تک پانی بھرا ہوا تھا۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے پانی گہرا ہوتا چلا گیا۔ کچھ دور جانے کے بعد ایک دیوار آ گئی جو کہ اونچائی میں کمر تک تھی۔ ان صاحب نے اس دیوار کو پھلانگا اور ہمیں ہاتھ پکڑ کر پھلانگنے میں مدد دی اب پانی کمر سے اونچا ہو گیا تھا۔

وہ صاحب آگے بڑھتے رہے اور ہم ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے کچھ دور جا کر وہ دائیں جانب کو مڑ گئے اور ہمیں ہاتھ پکڑ کر نیچے اتارا اب پانی کافی گہرا ہو گیا تھا۔ ہم ایک سرنگ میں داخل ہو گئے تھے جس میں سیدھا کھڑا نہیں ہوا جاسکتا تھا لہٰذا ہم

جھک کر ان صاحب کے پیچھے پیچھے چلتے رہے یہاں یہ بتلانا ضروری ہے کہ لائٹ کا کوئی انتظام نہ تھا ان صاحب کے ہاتھ میں ایک موم بتی اور ہمارے پاس ایک ٹارچ تھی جس کی مدد سے ہم آگے بڑھ رہے تھے اور اب پانی تقریباً سینے کی اونچائی تک پہنچ گیا تھا۔ جس میں چلنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

ان صاحب نے میرا ہاتھ تھاما اور میں نے انجم کا۔ اس طرح ہم تینوں کچھ دیر آگے بڑھتے رہے اور اب پانی اور بھی اونچا ہو گیا تھا کچھ دور پر قبر مطہر نظر آئی اور وہ صاحب جھک کر وہاں داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے میں کھڑا رہا اس سے زیادہ کی گنجائش نہ تھی۔

قبر مطہر پر ایک Blue پھولوں والی اور ایک Plain ٹائل لگی ہوئی تھی۔ ان صاحب نے موم بتی رکھ دی (یہاں پر میں یہ بتلانا بھول گیا کہ سرنگ میں داخل ہوتے وقت ان صاحب نے ''اذن دخول'' پڑھنا شروع کیا تھا اور ہمیں بھی ساتھ ساتھ پڑھنے کو کہا تھا) اور زیارت پڑھنا شروع کی۔

دوران زیارت وہ پانی قبر مطہر پر ڈالتے رہے اور منہ اور ہاتھوں پر بھی ڈالتے رہے۔ اسی طرح ہم نے بھی کیا۔ دورانِ زیارت وہ اپنے سر کو بھی پیٹ رہے تھے اس کے بعد وہ تھوڑا سا باہر آئے اور مجھے اور انجم کو قبر مطہر پر سلام پہنچانے کے لیے کہا اور باب الحوائج کے واسطے سے اپنی حاجات طلب کرنے کو کہا۔ ہم نے قبر مطہر کو بوسہ دیا، پیشانی سے رگڑا، ہاتھوں سے تھامے کھڑے رہے اور بارگاہ ابوالفضل عباسؑ میں شکریہ ادا کرتے رہے اس بے پناہ عزت افزائی کے لیے جو کہ ہمیں اس بارگاہ سے عطا ہو رہی تھی۔

اس کے بعد انہوں نے کہا جہاں ہم کھڑے ہیں وہ پائنتی ہے اب ہم مولا عباسؑ کے سرہانے چلیں گے۔ اس طرح ہم ان کی معیت میں مولا عباسؑ کے سرہانے کی طرف آئے۔ سرہانے سے انہوں نے خاک پاک اٹھائی اور اپنے چہرے پر مل لی اور

کچھ عربی میں پڑھتے رہے۔

اس کے بعد ان کی معیت میں ہم نے قبر مطہر کا طواف کیا پورا طواف گہرے پانی میں کیا گیا۔ قبر مطہر کے قریب سے پوری بوتل پانی کی بطور تبرک حاصل کی۔ یہاں پر یہ بتلانا بہت ضروری ہے کہ پانی بالکل ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کا رنگ انتہائی صاف اور شفاف تھا۔ پانی میں کسی قسم کی کوئی کائی یا چکنائی نہ تھی اور نہ ہی کسی قسم کی بو تھی۔

پھر ان صاحب نے کہا کہ آپ کا وقت ختم ہوگیا اب واپس چلیں۔ لہٰذا ان ہی راستوں سے ہوتے ہوئے ہم لوہے کی جالی کے دروازے تک پہنچ گئے۔ لوہے کی جالی کو تالا لگانے کا شرف مجھے دیا گیا۔ ان صاحب نے وہ موم بتی بھی بطور تبرک مجھے دے دی۔

ہم پانی میں پوری طرح بھیگ چکے تھے اس کے بعد وہ چاندی کا دروازہ کھولا گیا اور ہم صحن حضرت عباسؑ میں پہنچ گئے۔ وہاں موجود لوگوں نے ہمیں گھیر کر ہمارے کپڑوں کو اپنے ساتھ ملنا شروع کیا اور جیسے کہ ہمیں کہا گیا تھا ہم کسی سے ملے بغیر فوراً اپنے ہوٹل میں واپس آگئے۔

نوٹ

اپنے بچوں کیلئے یہ الیکٹرونک کاپی بنائی جسے دیگر حضرات بھی پڑھ سکتے ہیں

طالب دعا

سید نذر عباس

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوق
۲] علامہ مجلسی
۳] علامہ ساظمر حسین
۴] علامہ سید علی نقی
۵] بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید سبط حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید جبار حسین
۱۲) بیگم و مرزا توحید علی
۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید نظام حسین زیدی
۱۶) سیدہ ہما زہرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا احمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی
۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسنین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) غلام محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم